سیرتِ نبوی کے مآخذ پر جدید اردو تحقیقات

محمد یٰسین مظہر صدیقی ۞

لفظ سیرت قران مجید میں صرف ایک جگہ سورۂ طٰہٰ میں آیا ہے: ﴿ قَالَ خُذْهَا وَلَا تَخَفْ سَنُعِيدُهَا سِيرَتَهَا ٱلْأُولَىٰ ﴾[۱]: (پکڑ لے اس کو اور نہ ڈر، ہم پھیر دیں گے اس کو پہلے حال پر۔)[۲] شاہ عبد القادر رحمۃ اللہ علیہ، ابن شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا ترجمہ "شکل" کیا ہے اور اس پر کوئی حاشیہ تحریر نہیں فرمایا۔[۳] مولانا عبد الماجد دریابادی رحمۃ اللہ علیہ نے "حالت" کا لفظ پسند کیا ہے[۴] اور اسی طرح دوسرے اردو مترجمین نے مختلف الفاظ لکھے ہیں۔ ان سب معانی، تراجم اور تشریحات وحواشی میں یہ مفہوم موجود ومضمر ہے کہ عصائے کلیمی کو اس کی اصل حقیقت پر لوٹانا مقصود تھا۔ صاحبِ مصباح اللغات، مولانا عبد الحفیظ بلیاوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے لغوی معانی لکھے ہیں: "عادت، طریقہ، طرز زندگی، ہیئت" اور سیرۃ الرجل سے سوانح عمری مراد لی ہے اور کلام عرب سے اس کے معانی کی وضاحت کی ہے: "ھو حسن السیرۃ" (وہ اچھی عادت والا ہے) اور اسی سے عرب کا قول ہے: "من طابت سریرته حُمِدت سیرته"، (جس کا باطن اچھا ہوتا ہے اس کی عادت اچھی ہوتی ہے۔) سیرۃ کی جمع سِیَر ہے۔[۵] خالص عربی لغات میں بھی لفظ سیرت کے یہی معانی ومطالب ملتے ہیں اور حدیث شریف میں وارد الفاظ وکلماتِ نبویؐ اور تعبیراتِ صحابہ وعرب میں اسی قسم کے معانی ومطالب ملتے ہیں۔

۞ سابق صدر / ڈائریکٹر ادارہ علوم اسلامیہ، شاہ ولی اللہ دہلوی ریسرچ سیل، مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ، انڈیا

۱- القرآن ۲۰: ۲۱۔

۲- (أي إلى حالها التي تعرف قبل ذلک)، اسماعیل بن عمر ابن کثیر، **تفسير القرآن العظيم** (بیروت: دار الکتب العلمیۃ، ۱۴۱۹ھ)، ۵: ۲۴۷۔

۳- احمد بن عبد الرحیم شاہ ولی اللہ، **فتح الرحمٰن في ترجمة القرآن**، بہ ذیل آیت مذکورہ؛ شاہ عبد القادر دہلوی، **موضح القرآن**، بہ ذیل آیت مذکورہ۔

۴- عبد الماجد دریابادی، **تفسیر ماجدی** (لاہور: تاج کمپنی)، ۶۶۴۔

۵- عبد الحفیظ بلیاوی، **مصباح اللغات**، بہ ذیل مادہ: س ی ر۔

اُردو نگارشات میں سیرت پر لغوی مباحث

مختلف معتبر اردو سیرت نگاروں نے سیرت کے لغوی اور اصطلاحی معانی سے بحث کی ہے۔ اردو سیرت نگاروں کے امام مولانا شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ محدثین اور ارباب رجال کی اصطلاح قدیم ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص غزوات کو مغازی اور سیرت کہتے تھے، چناں چہ ابن اسحاق کی کتاب کو مغازی بھی کہتے ہیں اور سیرت بھی۔ حافظ ابن حجر **فتح الباري** کے كتاب المغازي میں یہ دونوں نام ایک ہی کتاب کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ فقہ کی بھی یہی اصطلاح ہے۔ فقہ میں جو عنوان كتاب الجهاد و السير باندھتے ہیں، اس میں سیرت کے لفظ سے غزوات اور جہاد کے احکام مراد ہوتے ہیں۔ کئی صدی تک یہی طریقہ رہا، چناں چہ تیسری صدی تک جو کتابیں سیرت کے نام سے مشہور ہیں، مثلاً **سیرت ابن ہشام**، **سیرت ابن عائذ**، **سیرت اموی** وغیرہ ان میں زیادہ تر غزوات ہی کے حالات ہیں، البتہ بعد کے زمانے میں مغازی کے سوا اور چیزیں بھی داخل کر لی گئیں، مثلاً **مواہب لدنیہ** میں غزوات کے علاوہ سب کچھ ہے"۔ (۶)

مولانا عبد الرؤف دانا پوری، مولف أصح السير، نے لفظ واصطلاح سیرت سے خاص بحث نہیں کی ہے۔ مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے **سیرۃ المصطفیٰ** کے مقدمے میں مختصراً یہ لکھا ہے کہ "متقدمین کی اصطلاح میں فقط غزوات اور سرایا کے حالات اور واقعات کے مجموعے کو سیرت کہتے تھے۔ حدیث آٹھ علوم کے مجموعے کا نام ہے اور سیرت اس کا ایک جز ہے:

سیر، آداب و تفسیر و عقائد فتن، أشراط وأحكام ومناقب

لیکن اس زمانے میں سیرت کا اطلاق سوانح عمری پر کیا جاتا ہے۔ (۷)

ان بیانات میں تضادات ہیں اور یہ غیر تفصیلی بیانات بھی ہیں، جن پر بحث تنقیدی تجزیے میں آئے گی۔ صرف بہ طور اشارہ عرض ہے کہ سیرت فقط غزوات و سرایا و حالات کا مجموعہ نہیں ہے۔ اگر سیرت حدیث کے آٹھ علوم میں ایک علم ہے تو صرف غزوات و سرایا مراد نہیں ہوسکتے۔ متقدمین کی طرف نسبت بھی صحیح نہیں ہے۔ حضرت شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے خیال میں حدیث کے چار فنون ہیں جن کو متقدمین محدثین نے مدون کیا تھا۔

جدید و معاصر دور کے ایک جید عالم ڈاکٹر محمود احمد غازی رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر مفصل بحث کی ہے، لکھتے ہیں:

۶- شبلی نعمانی، **سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم** (لاہور: ادارہ اسلامیات، س ن،) حاشیہ، ۱: ۳۶-۳۷۔

۷- محمد ادریس کاندھلوی، **سیرۃ المصطفیٰ** (دیوبند: دار الکتاب، س ن)، ۱: ۳ومابعد۔

سیرت کے لغوی معنی تو "طریقۂ کار" یا "چلنے کی رفتار اور انداز" کے ہیں۔ عربی زبان میں فعلہ کے وزن پر جو مصدر آتا ہے اس کے معنی کسی کام کا طریقہ یا کسی کام کو اختیار کرنے کا انداز اور اسلوب کے ہوتے ہیں۔ چناں چہ سیرت کا لفظی معنی بھی "چلنے کا طریقہ" کے ہیں۔ اسی معنی کی توسیع کے طور پر عربی زبان میں سیرت کا معنی کسی کا طرزِ زندگی (Life Style) یا زندگی گزارنے کا اسلوب بھی ہیں۔ جلد ہی سیرت کا لفظ ذاتِ رسالت مآب ﷺ کے ساتھ قریب قریب مخصوص ہو گیا۔۔۔ اسلامی علوم وفنون کی اصطلاح میں سیرت کا لفظ سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ کے اس طرزِ عمل کے لیے استعمال کیا گیا جو آپؐ نے غیر مسلموں سے معاملہ کرنے میں اور جنگوں میں یا صلح اور معاہدات کے معاملات میں اپنایا۔ قدیم مفسرین، فقہا محدثین اور سیرت نگاروں نے سیرت کے لفظ کو اسی مفہوم میں استعمال کیا ہے۔[۸]

ڈاکٹر موصوف نے قاضی محمد اعلیٰ تھانوی کی مشہور کتاب، **کشاف اصطلاحات الفنون** اور فقیہ کمال بن ہمام کی **فتح القدیر** کے حوالے سے اپنی بات کو مدلل و مستند کیا ہے کہ شریعت کی اصطلاح میں "سیر" سے مراد وہ طریقہ ہے جو کفار سے جنگ وغیرہ میں اپنایا جائے۔ یہ ایک پہلو سے تاریخ اسلام کا مضمون ہے، دوسرے پہلو سے اسلامی قانون اور فقہ کا مضمون ہے۔[۹] اور قدیم علمانے سیرت کو نہیں، سِیَر کو اس مفہوم میں استعمال کیا ہے۔ یہ حاضرین کے اقوال وآرا پر مبنی تشریح ہے۔ ابن اسحاق / ابن ہشام کے علاوہ کون متقدمین تھے؟ ڈاکٹر محمد حمید اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مقالے "محاکمۂ سیرت ابن اسحاق" میں لفظ واصطلاح سیرت سے بحث نہیں کی ہے۔ ان کی مانند بعض دوسرے علما و مصنفین سیرت کا بھی یہی طریقہ ہے اور اگر کسی نے دو چار جملے اس حوالے سے لکھے ہیں تو مذکورہ بالا اساطین سیرت کی پیروی کی ہے۔ ان سب کے استیعاب کی ضرورت نہیں کہ بحث بلا ضرورت طویل ہو جائے گی۔[۱۰]

لفظ واصطلاحِ سیرت کا سوانح عمری اور خاص کر سیرت نبویؐ کے لیے دوسری صدی ہجری میں چلن ہو گیا تھا۔

حدیث وسیرت کا تعلق

ایک خیال مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے گزر چکا ہے کہ سیرت، حدیث کا ایک جزو ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے قدیم وجدید محدثین میں سے بیشتر کا یہی خیال ہے۔ اس طرح

۸- محمود احمد غازی، **محاضرات سیرت** (لاہور: الفیصل ناشران وتاجران کتب، ۲۰۰۸ء)، ۱۶-۱۷۔

۹- نفس مصدر۔

۱۰- حمید اللہ، "محاکمۂ سیرت ابن اسحاق"، **نقوش رسول نمبر**، لاہور، (جنوری ۱۹۸۵ء)، ۱۱: ۳۵۷ومابعد، خاص طور سے کتب تاریخ کی تالیف پر بحث دیکھیے۔

سے وہ سیرت نگاروں کو محدثین کے زمرے میں شامل کرتے ہیں۔ متعدد اردو سیرت نگاروں نے اس حقیقت کی طرف اشارے کیے ہیں اور متعدد نے صراحت کی ہے کہ سیرت نبویؐ کے ابتدائی مؤلفین کرام علم حدیث کے نہ صرف اساطین میں شامل تھے، بلکہ وہ معتبر و مشہور ائمۂ حدیث کے شیوخ بھی تھے۔ ان میں حضرت عروہ بن زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ اسدی (م۹۴ھ / ۷۱۲ء)، امام زہری رحمۃ اللہ علیہ یعنی محمد بن مسلم بن شہاب (م۱۲۴ھ / ۷۴۲ء) وغیرہ تو مسلمہ ائمۂ حدیث ہیں۔ ان کے تعلق سے معاصرین اور پیشرو بھی محدثین میں شمار ہوتے تھے، جیسے حضرات ابان بن عثمان رحمۃ اللہ علیہ اموی (م۹۶ / ۷۱۵ء)، قاسم رحمۃ اللہ علیہ بن محمد بن ابی بکر صدیق تیمی (م۱۰۷ / ۷۲۵)، عبداللہ بن ابی بکر بن محمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ (م۱۳۰ / ۷۴۷) وغیرہ جو دوسری / تیسری صدی کے عظیم محدثین جیسے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، امام ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ و مسلم رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کے شیوخ اور مآخذ ہیں۔[۱۱]

یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ اصحاب سیر اور اصحاب حدیث واقعی دو گروہ نہیں ہیں، جتنے اصحاب سیر ہیں وہ اصحاب حدیث بھی ہیں اور جتنے اصحاب حدیث ہیں وہ اصحاب سیر بھی ہیں۔[۱۲] علامہ شبلی نے حضرات سعد بن ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ مدنی، ابو بکر بن محمد بن عمرو بن حزم انصاری رحمۃ اللہ علیہ اور امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کو بہ طور خاص حدیث و سیرت کے علاوہ فقہ کے اعلم العلماء میں شمار کیا ہے۔[۱۳]

دوسرا نظریہ یہ ہے کہ بلاشبہ فن سیرت، علم حدیث سے نکلا ہے اور دونوں میں کافی قریبی قرب و قرابت بھی ہے، مگر فن سیرت، علم حدیث سے ایک جداگانہ فن ہے۔ مولانا شبلی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے متعدد ہم نوا اس نظریے کے علم بردار اور مبلغ ہیں۔ اس فن کے ماہر محدثین کی اصطلاح میں مغازی اور سیرت عام فن حدیث سے ایک الگ فن ہے۔ ارباب سیر اور محدثین دو مقابل کے گروہ سمجھے جاتے ہیں۔ مولانا موصوف کا یہ بھی خیال ہے کہ روایات سیرت میں مغازی کا درجہ سب سے متاخر رہا۔ یہی وجہ تھی کہ علما میں جن لوگوں نے مغازی کو اپنا فن بنالیا تھا وہ عوام میں جس قدر مقبول ہوئے تھے، خواص میں اس قدر مستند نہیں خیال کیے جاتے تھے۔ علامہ شبلی رحمۃ اللہ علیہ

۱۱- اس بحث کے لیے دیکھیے: فواد سزگین، **تاریخ التراث العربي (التدوین التاریخي)**، (عربی ترجمہ) محمود فہمی حجازی (ریاض: ۱۹۸۳ء)، ۱-۲: ۶۵-۱۱۷؛ یٰسین مظہر صدیقی، ”امام ابن اسحاق: حضرت شاہ کے اہم ترین ماخذ سیرت“، دہلی، سیمینار علی گڑھ، ۲۰۔

۱۲- ابو البرکات عبد الرؤف داناپوری، *أصح السیر* (کراچی: مجلس نشریات اسلام، ۱۹۸۱ء)، ۹۔

۱۳- شبلی، مرجع سابق، ۲۰: ۱-۲۱ومابعد۔

اور مولانا کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے سیرت نگاروں کو بھی محدثین میں شامل کیا ہے، البتہ ان کے طریقۂ کار پر بحث کی ہے۔[۱۴]

ڈاکٹر محمود احمد غازی رحمۃ اللہ علیہ نے سیرت کی تعریف شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے رسالے **عجالة نافعة** سے پیش کی ہے اور مغازی اور سیر کو مترادف فنون قرار دیا ہے، جیسا کہ موصوف لکھتے ہیں: "چناں چہ عروہ بن زبیر اور موسیٰ بن عقبہ کی تحریروں کی طرح ابتدائی دور کی کتابیں مغازی بھی کہلائیں اور سیر بھی، پھر وقت کے ساتھ ساتھ سیرت اور مغازی کی کتابیں الگ الگ ہو گئیں۔ مغازی کا انداز تاریخی قرار پایا اور سیر کا انداز قانونی قرار پایا"۔[۱۵]

اہل حدیث اور اہل سیرت کے طریقۂ کار کا فرق

مولانا داناپوری رحمۃ اللہ علیہ نے ان دونوں مکاتب فکر و نگارش کے طریقۂ کار کا تقابلی مطالعہ اور تجزیہ ان الفاظ میں کیا ہے:

اصحاب حدیث دراصل تین امور کو جمع کرتے ہیں:

۱- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا فرمایا۔ ۲- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا کام کیا۔

۳- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں کیا، کیا گیا۔

اصحاب سیرت بھی انھیں تین امور کو جمع کرتے ہیں۔ اس لیے اصل کام دونوں کا ایک ہے، مگر باوجود اس کے دونوں میں بڑا فرق ہے۔ اصحاب حدیث کا مقصود بالذات احکام کو جاننا ہوتا ہے اور رسول اللہ کی ذات سے ان کی یہ بحث ضمناً یا التزاماً ہے کہ یہ فعل یا یہ قول رسول اللہؐ کا ہے یا نہیں، ان کی تمام قوت اس تحقیق میں صرف ہوتی ہے کہ اس قول یا فعل کا انتساب رسول اللہؐ کی طرف صحیح ہے یا نہیں، لیکن اصحابِ سیرت کو یہ بھی کرنا پڑتا ہے اور اس کے ساتھ دو اور باتیں معلوم کرنی پڑتی ہیں:

ایک یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کب ایسا کہا یا کیا، دوم یہ کہ ایسا کہنے یا کرنے کی وجہ کیا ہوئی؟

اصحابِ سیرت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال کو مسلسل اور مربوط بنانے کی کوشش کرتے ہیں اور اس کے اسباب و عوامل کو بھی جاننا چاہتے ہیں۔ اصحاب حدیث کہتے ہیں کہ اس کی ضرورت نہیں ہے، جب صحت کے

۱۴- شبلی، مرجع سابق، ۱۷-۱۸؛ کاندھلوی، مرجع سابق، ۱: ۲-۸ومابعد۔

۱۵- غازی، مصدرِ سابق، ۲۰-۲۱ومابعد۔

ساتھ یہ معلوم ہو جائے کہ یہ قول یا یہ فعل رسول اللہؐ کا ہے تو وہ رسول اللہ ﷺ کی سنت اور آپؐ کا طریقہ ہو گیا، گو یہ نہ معلوم ہو کہ رسول اللہ ﷺ نے کب، کس دن اور کس تاریخ کو ایسا کہا یا ایسا کیا۔ اس فرق کی وجہ سے اصحابِ سیرت اور اصحاب حدیث کی دو جماعتیں الگ الگ بن گئیں اور معیار تحقیق بھی دونوں کا جدا ہو گیا۔ محدثین، راویوں کی ثقاہت، تقوے اور دیانت کی کمی زیادتی کی بنا پر مقبول راویوں کی روایتوں میں اختلاف کے وقت ترجیح دیتے ہیں اور اصحاب سیرت حالات اور واقعات کے علم کی بنا پر ترجیح دیتے ہیں۔[۱۶]

موصوف نے مزید بحث یہ کی ہے کہ جھوٹوں کی روایت کوئی قبول نہیں کرتا۔ معتبر و مقبول راویوں میں محدثین، اُن کے مراتب کا فرق کر کے ان کی روایات میں ترجیح کا اصول استعمال کرتے ہیں، جب کہ اصحاب سیرت سب معتبر و ثقہ کی روایات کو قبول کرتے ہیں، بے شرطے کہ واقعات کے مطابق ہوں۔

مولانا کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کا نقطۂ نظر ذرا مختلف ہے۔ محدثین نے جرح و تعدیل کے جو قواعد مقرر کیے اور صحیح و سقیم کے پہچاننے کا جو معیار قائم کیا وہ بلا تفریق اور اختلاف کے سب جگہ ملحوظ رکھا گیا اور تمام احادیث خواہ احکام سے متعلق ہوں یا مغازی اور مناقب سے، سب اسی معیار سے جانچی گئیں، البتہ جن احادیث پر دین کا دارومدار تھا جیسے عقائد اور حلال و حرام، محدثین نے ان کے قبول کرنے میں زیادہ سخت اصولوں سے کام لیا اور جن حدیثوں پر دین کا دارومدار نہ تھا جیسے فضائل اور مناقب وہاں قدرے وسعت اور سہولت سے کام لیا گیا، اس لیے کہ وہاں کوئی عمل مقصود نہیں محض علم مقصود ہے، اس لیے ایسے مقام پر توسیع ہی مناسب ہے۔ الحاصل صحت اور ضعف کا جو معیار اور ضابطہ احادیث احکام میں ہے وہی مغازی اور سیر میں ہے۔ اسی ضابطے سے سب احادیث کو جانچا جاتا ہے اور اسی کے مطابق بلا تفریق صحیح اور ضعیف کا حکم لگایا جاتا ہے۔ مولانا موصوف نے محدثین کی کتب احکام و مغازی کو دو طبقات میں تقسیم کیا ہے: ایک وہ جن میں محدثین نے صحت کا التزام کیا جیسے صحیح بخاری و مسلم و ابن خزیمہ و ابن حبان وغیرہ۔ ان کتابوں میں سیرت اور مناقب کا ایک بہت بڑا ذخیرہ موجود ہے اور سب صحیح ہے۔ دوسری وہ کتب جن میں محدثین نے صحت کا التزام نہیں کیا۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ حدیث کا ذخیرہ جمع ہو جائے تو بعد میں اس کی تنقیح کر لی جائے گی۔ مولانا موصوف نے ایسی کتابوں کا حوالہ نہیں دیا، اور ان محدثین کا یہ کہہ کر دفاع کیا کہ وہ جمع حدیث کے حریص تھے اور ان پر تساہل کا الزام نہیں ہے۔[۱۷]

۱۶- داناپوری، مرجع سابق، ۸ومابعد۔

۱۷- کاندھلوی، مرجع سابق، ۱: ۴-۷ ومابعد۔ مولانا کا یہ دعویٰ دل چسپ ہے کہ ان کی اس سیرت میں جتنا بھی علمی سرمایہ اور ذخیرہ آپ دیکھیں گے، وہ سب حضرات محدثین کا ہے اور وہی اس کے مالک ہیں اور مولاناؒ نے اس کو ترتیب سے پیش کر دیا

مولانا شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ کے خیال و فکر کا کچھ ذکر پہلے آ چکا ہے۔ اس کے مطابق محدثین بالعموم صرف صحیح روایتوں کو جمع کرنے کا التزام کرتے ہیں، لیکن اصحاب سیرت ہر قسم کی روایات نقل کرتے ہیں جن میں صحیح بھی ہوتی ہیں اور قابل انکار بھی۔ انھوں نے حافظ عراقی کا ایک شعر بھی اپنے خیال کی تائید میں نقل کیا ہے:

ولیعلم الطالب أن السیرا

تجمع ما صح و ما قد أنکرا

اور نتیجہ نکالا ہے کہ یہی سبب ہے کہ مستند اور مسلم الثبوت تصنیفات میں بھی بہت سی ضعیف روایتیں شامل ہو گئیں۔ مولانا ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی بنا پر یہ دعویٰ کیا کہ خاص سیرت پر آج تک کوئی ایسی کتاب نہیں لکھی گئی جس میں صرف صحیح روایتوں کا التزام کیا جاتا۔[۱۸] مولانا کا یہ دعویٰ کہ تمام محدثین صرف صحیح احادیث کو جمع کرنے کا التزام کرتے ہیں، حقیقت کے خلاف ہے۔ مولانا کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کے بیان سے اور اس سے زیادہ **حجة الله البالغة** میں حضرت شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی کتب حدیث پر بحث سے اس کی تردید ہوتی ہے۔[۱۹]

ڈاکٹر محمد حمید اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اختصار کے ساتھ ان دونوں مناہج سیرت و حدیث پر لکھا ہے کہ کتب احادیث نبی کریمؐ کی زندگی کو ایک مربوط تصویر کے طور پر نہیں پیش کرتیں، بلکہ ان کتابوں میں دور اسلام سے متعلق مختلف واقعات کے بارے میں چھوٹی چھوٹی متعدد حکایات بیان کی گئی ہیں۔ جہاں تک کتب تاریخ کا تعلق ہے تو وہ اس بات کی متقاضی ہیں کہ اس منتشر مواد کو ان میں سمیٹ دیا جائے۔ نصف اوّل سے یہ کام شروع ہوا۔[۲۰]

مناہج سیرت یعنی سیرت نگاروں کے مناہج اور اسالیب پر ڈاکٹر محمود احمد غازی رحمۃ اللہ علیہ کا **محاضرات سیرت** میں چوتھا خطبہ بہت مفصل ہے۔ اس میں انھوں نے سات اہم ترین اسالیب کا ذکر کیا ہے یعنی محدثانہ، مؤرخانہ، مؤلفانہ، فقیہانہ، متکلمانہ، ادیبانہ اور مناظرانہ۔ محدثانہ اسلوب پر نقد کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ان شخصیات نے سیرت پر زیادہ کام کیا ہے جو دراصل حدیث کے لیے مختص ہیں۔ انھوں نے علم حدیث کے قواعد اور اصول کو سامنے

ہے، جب کہ ان کا سارا انحصار کتب سیرت اور شبلی کی خوشہ چینی پر ہے، کہیں کہیں البتہ وہ کتب احادیث وغیرہ سے پیوند لگا دیتے ہیں اور شبلی پر نقد کرتے ہیں۔

۱۸- کاندھلوی، نفس مرجع، ۲: ۸-۱۰۔

۱۹- احمد بن عبد الرحیم شاہ ولی اللہ، **حجة الله البالغة** (بیروت: دار الجیل، ۲۰۰۵ء)، ۱: ۲۳۰ وما بعد۔

۲۰- حمید اللہ، "محاکمۂ ابن اسحاق"، ۳۶۸۔

رکھا، علم حدیث کے معیارات اور اصول وضوابط کے پیش نظر مواد کا انتخاب کیا، اس کو ترتیب دیا اور اس کے بعد سیرت کے واقعات وموضوعات کی ترتیب سے اس مواد کو مرتب کر کے جمع کر دیا۔ محدثین کی نظر میں سب سے بنیادی اور اصل چیز یہ ہے کہ جو چیز ذاتِ رسالت مآبؐ سے منسوب کی جائے وہ ایک سو ایک فی صد یقینی ہو۔ اس کے علاوہ موصوف نے روایت کے سلسلے کے اتصال، روایت کی اور سماعت کی کیفیت کے معلوم وواضح ہونے سے بحث کی ہے، ان کی راے میں محدثین میں جن حضرات نے سیرت نگاری پر کام کیا ان میں تمام اکابر محدثین شامل ہیں اور ان کا جمع کردہ ذخیرہ سو فی صد صحیح ہے۔ محدثانہ اسلوب کا ایک رنگ یہ بھی ہے کہ وہ منفرد احادیث واخبار ہوتے ہیں اور کسی ایک واقعے کی تفصیلات یک جا نہیں ہوتیں، بلکہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ ان اخبار واحادیث میں ارتباط نہیں ہوتا۔ ان کا زیادہ اعتماد متن کے اعتبار سے نہیں بلکہ سند کے اعتبار پر ہوتا ہے۔ وہ مختلف ابواب /کتب میں منقسم ہوتا ہے اور ان میں جزئیات کی تکرار بھی ہوتی ہے اور یکساں معلومات کی بھی۔ موصوف نے بڑی جسارت کی ہے کہ اس تکرار اور جزوی تبدیلیوں کی بار بار نشان دہی کے فعل کو بعض اوقات ناگوار بتایا ہے۔

مؤرخانہ اسلوب کو محدثانہ اسلوب کے بعد کا ارتقا قرار دیا ہے اور یہ بھی تسلیم کیا ہے کہ مؤرخانہ اسلوب کا آغاز تو بہت پہلے ہو گیا تھا اور حضرت عروہ بن زبیر رحمۃ اللہ علیہ کو اس کا بانی قرار دیا ہے۔ اس کا امتیاز یہ تھا کہ مؤرخین کسی واقعے کے بارے میں معلومات جمع کرتے تھے اور ان کو یک جا کر کے اور مرتب کر کے بیان کرتے تھے۔ ان کے خلیفہ عبدالملک رحمۃ اللہ علیہ بن مروان سے مراسلات کا خاص ذکر کیا ہے۔ مؤرخانہ اسلوب کے قابل ذکر علم برداروں میں ڈاکٹر صاحب نے ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ، واقدی، اور ابن ہشام رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کا بہ طور خاص ذکر کیا ہے کہ شروع میں محدثین نے اس پر شدید نکیر کا اظہار کیا اور اس کو ناپسند فرمایا۔ ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ پر امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا نقد نقل کیا ہے کہ ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ پر تو کوئی اعتراض نہیں، لیکن روایات کو بیان کرنے کا ان کا طریقہ درست نہیں ہے۔[٢١]

مؤلفانہ اسلوب کو سیرت کے مختلف مآخذ اور کتب میں مواد کو مربوط کر کے باقاعدہ تصنیفی انداز میں پیش کرنے کا ذکر کیا ہے جس کا رواج تیسری صدی ہجری کے اواخر یا چوتھی صدی کے اوائل سے شروع ہو گیا۔ بعد میں یہی رواج عام ہو گیا۔

٢١- غازی، **محاضرات سیرت**، ١٩٥-٢٠٠ومابعد۔

سیرت نبوی ﷺ کے مصادر و مآخذ کا تاریخی ارتقا

تالیف و تدوین سیرت اور اس کے ارتقا سے بحث میں عام طور سے جدید اردو سیرت نگاروں کا اتفاق نظر آتا ہے۔ حضرت عروہ بن زبیر رحمۃ اللہ علیہ اور امام زہری رحمۃ اللہ علیہ سے اور ان کی کتب مغازی سے مغازی و سیرت کا عام مذاق پیدا ہو گیا۔ مولانا شبلیؒ نے حضرت عروہ بن زبیر رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت سیرت کو قریب قریب نظر انداز کر کے امام زہریؒ کے سر اس کی قبولیت عام کا سہرا باندھا ہے۔ مولانا داناپوری رحمۃ اللہ علیہ نے سیرت کی تدوین کی بحث میں یہ خیال پیش کیا ہے کہ حضور ﷺ کے سنن کو سب سے پہلے امام ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ نے جمع کیا۔ یہ روایت بھی ہے کہ مغازی کو بھی سب سے پہلے ان ہی نے مرتب کیا۔ امام زہری رحمۃ اللہ علیہ سے پہلے سیرت اور حدیث کے علما میں کچھ زیادہ فرق نہ تھا۔ البتہ بعض علما صاحب المغازی کے نام سے مشہور تھے۔ امام زہری رحمۃ اللہ علیہ اپنے وقت کے چار ائمۂ حدیث وسیر ابن المسیب رحمۃ اللہ علیہ (مدینہ میں)، شعبی رحمۃ اللہ علیہ (کوفہ میں)، حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ (بصرہ میں) اور مکحول رحمۃ اللہ علیہ (شام میں) سے فیض یافتہ تھے۔ مولانا کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر زیادہ بحث نہیں کی، بلکہ کہا جا سکتا ہے کہ تدوین سیرت اور کتب مغازی سے تعرض ہی نہیں کیا۔ مولانا شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے البتہ تمام مشہور صاحبان مغازی کا ذکر کیا ہے اور ان کی کتابوں اور خدمات کا مختصر تجزیہ بھی کیا ہے۔ ڈاکٹر محمود احمد غازی رحمۃ اللہ علیہ اور ان سے قبل ڈاکٹر محمد حمید اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے تدوین سیرت اور کتب سیرت کا سلسلہ حضرت عروہ بن زبیر رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے بعد امام زہری رحمۃ اللہ علیہ سے جاری ہونے کا خیال ظاہر کیا ہے۔ ان دونوں کے ہاں کافی تفصیلات بھی ملتی ہیں اور تجزیہ بھی۔[۲۲]

شبلی نے ایک جدول کی شکل میں "فن سیرت کے ارکان اور معتمد اور ان کی تصنیفات" کی تفصیل پیش کی ہے:

۱- عروہ بن زبیر	(م ۹۴/ ۷۱۳)	۲- شعبی	(م ۱۰۹/ ۷۲۷)
۳- وھب بن منبہ	(۱۱۴/ ۷۳۲)	۴- عاصم بن عمر	(۱۲۱/ ۷۳۹)
۵- زہری	(۱۲۴/ ۷۴۲)	۶- یعقوب بن عتبہ	(۱۲۸/ ۷۴۶)
۷- مغیرہ بن الاخنس ثقفی	(ندارد)	۸- موسیٰ بن عقبہ	(۱۴۱/ ۷۵۸)
۹- ہشام بن عروہ	(۱۴۶/ ۷۶۳)	۱۰- ابن اسحاق	(۱۵۰/ ۷۶۷)

۲۲- شبلی، **سیرت النبی**، ا: ۲۰-۲۱ومابعد؛ داناپوری، **اصح السیر**، ۲۹؛ کاندھلوی، **سیرۃ النبی**، ا: ۸ومابعد، نیز ۱۰۲ومابعد؛ محمد حمید اللہ، "محاکمۂ سیرت ابن اسحاق"، ۳۶۸-۳۷۲؛ غازی، مصدرِ سابق، ۲۰۱ - ۲۰۲ومابعد۔

۱۱- معمر بن راشد ازدی (۱۵۲/۷۶۸)	۱۲- عبد الرحمٰن اوسی (۱۶۲/۷۷۹)
۱۳- محمد بن صالح التمار (۱۶۸/۷۸۵)	۱۴- ابو معشر نجیح مدنی (۱۷۰/۷۸۷)
۱۵- عبد اللہ بن جعفر مخزومی (۱۷۰/۷۸۷)	۱۶- عبد الملک بن محمد انصاری (۱۷۶/۷۹۲)
۱۷- علی بن مجاہد (۱۸۰/۷۹۶)	۱۸- زیاد بن عبد اللہ بکائی (۱۸۳/۷۷۹)
۱۹- سلمہ بن الفضل الابرش (۱۹۱/۸۰۶)	۲۰- یحیٰ بن سعید اموی (۱۹۴/۸۱۰)
۲۱- ولید بن مسلم قرشی (۱۹۵/۸۱۱)	۲۲- یونس بن بکیر (۱۹۹/۸۱۵)
۲۳- واقدی (۲۰۷/۸۲۲)	۲۴- یعقوب بن ابراہیم (۲۰۸/۸۲۲)
۲۵- عبد الرزاق بن ہمام (۲۱۱/۸۲۶)	۲۶- ابن ہشام (۲۱۳/۸۲۸)
۲۷- علی بن محمد مدائنی (۲۲۵/۸۴۰)	۲۸- عمر بن شبہ (۲۶۲/۸۷۶)
۲۹- محمد بن عیسیٰ ترمذی (۲۷۹/۸۹۲)	۳۰- ابراہیم بن اسحاق (۲۸۵/۸۹۸)
۳۱- ابو بکر بن ابی خیثمہ (۲۹۹/۹۱۲)	۳۲- محمد بن عائذ دمشقی (ندارد)[۲۳]

یہ قدما کی تصنیفات تھیں۔ شبلی کے اس مقام پر حاشیے کے مطابق ان میں سے اکثر کی تصنیفات ناپید ہیں۔ بعد کی تصانیف میں ان کی روایات کے حوالے ملتے ہیں۔ یہ فہرست تہذیب التھذیب وغیرہ سے مرتب کی گئی ہے۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے "محاکمۂ ابن اسحاق" سے مزید تفصیل ملے گی۔

مولانا شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ نے مابعد کی تصنیفات کا مختصر ذکر کیا ہے کیوں کہ یہ تصنیفات قدیم تصنیفات اور احادیث کی کتابوں سے ماخوذ ہیں، جو قدما کی تصنیفات کے متعلق شرح کے طور پر لکھی گئی ہیں۔ ان کا ذکر اس وجہ سے کیا گیا کہ یہ فی نفسہٖ مستقل تصنیفات ہیں اور ان میں جس قدر ذخیرۂ معلومات ہے، خود اصل کتابوں میں نہیں۔ یہ فہرست مختصراً درج ذیل ہے:

۱- امام عبد الرحمٰن سہیلی (م ۵۰۱/۱۱۰۸) اکابر محدثین میں سے تھے، ان کی **الروض الأنف** متاخرین کا ماخذ ہے۔

۲- حافظ عبد المؤمن دمیاطی (م ۷۰۵/۱۳۰۶) سیرت دمیاطی **المختصر في سيرة سيد البشر** متعدد کا ماخذ ہے۔

۲۳- شبلی، مرجع سابق، ۱: ۲۷-۳۵۔

۳- علاء الدین علی بن محمد خلاطی (م ۷۰۸ / ۱۳۰۸) **سیرت خلاطی**

۴- شیخ علی بن محمد گازرونی (م ۶۹۴ / ۱۲۹۵) **سیرت گازرونی**

۵- یحییٰ بن حمیدہ (م ۶۳۰ / ۱۲۳۳) **سیرت ابن ابی طے**

۶- حافظ مغلطائی، **سيرت مغلطائي** مشہور کتاب ہے، مصر میں چھپ گئی ہے، علامہ عینی نے اس کی شرح لکھی ہے۔ (حافظ موصوف کی ایک مختصر سیرت چھپ گئی ہے اور دوسری ضخیم کتاب **الزهر الباسم في سيرة أبي القاسم** بھی چھپ گئی ہے۔)

۷- حافظ ابو سعید عبد الملک نیشاپوری، **شرف المصطفٰی**؛ حافظ ابن حجر **الإصابة** میں اس کا حوالہ دیتے ہیں۔ رطب ویابس کا مجموعہ ہے۔

۸- حافظ ابن جوزی، **شرف المصطفیٰ** (صحیح عنوان نہیں دیا اور نہ سنِ وفات لکھا ہے۔)

۹- سلیمان بن موسیٰ کلاعی (م ۶۳۴ / ۱۲۳۷)، **الاكتفاء في مغازي المصطفیٰ والخلفاء الثلاثة**، اکثر کتابوں میں اس کے حوالے آتے ہیں۔

۱۰- ابن عبد البر، **سيرة ابن عبدالبر**، محدث وامام مشہور ہیں، اکثر کتابوں میں ان کے حوالے آتے ہیں۔

(اصل عنوانِ کتاب ہے: **كتاب الدرر في اختصار المغازي والسير**۔ تذکرۂ صحابہ میں **الاستيعاب** بھی ایک مأخذ ہے)

(حالاں کہ وہ ابن اسحاق اور واقدی کی کتب سیرت پر بنیادی طور سے مبنی ہے جیسا کہ ڈاکٹر غازی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی کہا ہے۔)

۱۱- ابن سید الناس (م ۷۳۲ / ۱۳۳۲) **عيون الأثر**، نہایت متین اور جامع ہے، معتبر کتابوں کو ماخذ قرار دیا ہے۔

۱۲- ابراہیم بن محمد، **نور النبراس في سيرة ابن سيد الناس**، **عيون الأثر** کی محققانہ شرح، گنجینۂ معلومات ہے۔

۱۳- حافظ زین الدین عراقی، **سیرت منظوم** اس میں رطب ویابس سب کچھ ہے، دیباچہ میں خود لکھا ہے۔

۱۴- امام قسطلانی کی **المواهب اللدنية**، مشہور کتاب اور متاخرین کا ماخذ ہے، ہزاروں موضوع اور غلط روایات ہیں۔

۱۵- امام زرقانی، **زرقاني على المواهب،المواهب اللدنية** کی شرح ہے اور حقیقت یہ ہے کہ سہیلی کے بعد کوئی کتاب اتنی جامعیت اور تحقیق سے نہیں لکھی گئی۔

۱۶- امام حلبی کی سیرت (یہ بھی رطب ویابس کا مجموعہ ہے)، السيرة الحلبية مشہور اور متداول ہے۔

دوسرے اردو سیرت نگاروں میں مولانا داناپوری رحمۃ اللہ علیہ، مولانا کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے قدما و متاخرین کی تصانیف سیرت کی نہ ایسی جدولیں دی ہیں اور نہ ان پر تبصرہ و نقد کیا ہے۔ انھوں نے چند صاحبان مغازی کا ذکر کر کے بنیادی ماخذ پر توجہ مرکوز کی ہے۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے پہلے جرمن مستشرق وستنفلاد (Wustenfeld) کی فہرست مؤلفین سیرت نقل کی ہے، پھر اس پر اپنا اضافہ کیا ہے جن میں ابان بن عثمان رحمۃ اللہ علیہ، عاصم بن عمر بن قتادہ رحمۃ اللہ علیہ، شرجیل بن سعد رحمۃ اللہ علیہ، ابو الاسود یتیم عروہ رحمۃ اللہ علیہ، سلیمان بن طرخان تیمی رحمۃ اللہ علیہ، ولید بن کثیر مخزومی رحمۃ اللہ علیہ، یزید بن ابی حبیب رحمۃ اللہ علیہ (مصری استاذ ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ)، معمر بن راشد رحمۃ اللہ علیہ شامل ہیں۔ موصوف نے ان میں سے صرف یزید بن ابی حبیب مصری رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں مختصر تشریح کی ہے اور ان کی خدمت سیرت کا کچھ نمونہ دیا ہے۔ باقی مؤلفین سیرت کا صرف ذکر خیر ہی ہے۔ ان کی خدماتِ سیرت کا کوئی ذکر نہیں ہے اور بسا اوقات کتابوں کا عنوان بھی نہیں ہے۔[۲۴]

ہمارے معاصر محقق و عالم ڈاکٹر محمود احمد غازی رحمۃ اللہ علیہ نے مناہج سیرت کے ضمن میں چند قدما کی کتابوں کا ذکر کیا ہے۔ محدثانہ اسلوب کے بیان میں طریقۂ محدثین کے علاوہ صرف مستند کتب حدیث کا عمومی حوالہ دیا ہے اور شیخین کا نامِ گرامی ذکر کیا ہے۔ مؤرخانہ اسلوب میں حضرت عروہ بن زبیر رحمۃ اللہ علیہ کے بعد مشہور سیرت نگار ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ، ابن ہشام رحمۃ اللہ علیہ اور واقدی رحمۃ اللہ علیہ کا عمومی ذکر ہے۔ مؤلفانہ اسلوب میں کسی کتاب و مصنف کا ذکر نہیں۔ فقیہانہ اسلوب میں ساری بحث حج کی اقسام اور حجۃ الوداع پر کی ہے۔ متکلمانہ اسلوب میں اس کی تشریح ہے

۲۴- داناپوری، مرجع سابق، ۱۳-۱۴ ومابعد؛ کاندھلوی، مرجع سابق، ۱: ۸ ومابعد اور ۱۰۲ ومابعد؛ حمید اللہ، "محاکمہ"، ۳۶۸-۳۷۲۔

مگر کتاب ومؤلف کا ذکر نہیں۔ اسی طرح ادبیانہ اسلوب میں نظم ونثر کی عام کتابوں کا حوالہ ہے۔ یہی حال مناظرانہ اسلوب کا ہے کہ اس میں طریقۂ مناظرہ اور مناظرانہ تحریروں کا حوالہ ہے اور کسی قدر ان میں تاریخی پس منظر بھی ہے۔[۲۵]

بعد میں ڈاکٹر صاحب موصوف نے درج ذیل کتب سیرت کا ذکر اور ان پر تبصرہ کیا ہے:

۱- مبارک پوری کی **الرحیق المختوم** ۲- موسیٰ بن عقبہ

۳- امام بیہقی ۴- ابن حجر عسقلانی اور ان کی **شرح بخاری**

۵- امام ترمذی کی **شمائل نبوی** صلی اللہ علیہ وسلم ۶- امام بقی بن مخلد

۷- امام قرطبی کی تفسیر

۸- حافظ ابن عبدالبر کی شروح **مؤطا، سیرت و استیعاب**

۹- امام ابوالولید الباجی کی **شرح مؤطا**

۱۰- ابن عبدالبر کی **کتاب الدرر** کا الگ ذکر

۱۱- ابن سید الناس کی **عیون الأثر** ۱۲- ابن کثیر کی **سیرة النبي**

۱۳- ابن تیمیہ کی آراو تنقیدات **البدایة والنهایة** میں

۱۴- شیخ سعید حوّیٰ مصری کی **الأساس في السنة**

۱۵- شیخ محمد جعفر کتانی کا **الرسالة المستطرفة** ۱۶- شبلی کی **سیرة النبي** ﷺ

۱۷- محمد بن محمد ابو شہبہ کی کتاب **السيرة النبوية** ۱۸- **تاریخ طبری**

۱۹- ذہبی کی **تاریخ الإسلام** ۲۰- مسعودی کی **مروج الذهب**

۲۱- یعقوبی کی **تاریخ** ۲۲- **طبقات ابن سعد وابن الأثیر**

۲۳- ابن عساکر کی **تاریخ دمشق** ۲۴- خطیب بغدادی کی **تاریخ بغداد**

۲۵- قسطلانی کی **المواهب اللدنية** ۲۶- **سیرت شامیہ**

۲۵- غازی، مرجع سابق، ۱۹۵-۲۳۷ومابعد۔

۲۷- شیخ علی بن محمد خزاعی کی **تخريج الدلالات السمعية على ما كان في عهد رسول الله ﷺ من الحرف والصنائع والعمالات الشرعية**

۲۸- شیخ عبد الحی الکتانی کی **التراتيب الإدارية في نظام الحكومة الإسلامية** وغیرہ۔(یہ انتخاب تاریخی ارتقا کا نہیں ہے۔)

شیخ غازی رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ بالا کتب سیرت میں سے بعض پر عمدہ تبصرے کیے ہیں اور ان کی قدر و قیمت بھی بیان کی ہے۔ان میں اہم مراجع سیرت پر ان کے بعض تبصروں کے کچھ حصے ذیل میں پیش کیے جاتے ہیں جو اس عنوان کے تحت آتے ہیں:

حافظ ابن حجر عسقلانی کی شرح بخاری **فتح الباري** میں جابجا سیرت کے مختلف مباحث پر گفتگو کی گئی ہے جس کو ایک جامع نے تین جلدوں میں شائع کر دیا ہے۔حافظ موصوف نے تمام باتیں یا روایات اصول روایت و درایت کے مطالعے ہی سے کہی ہیں۔انھوں نے محدثانہ انداز سے سیرت کی تحقیق کا حق ادا کر دیا ہے اور حدیث کے نقطۂ نظر سے یہ حق ادا کیا ہے جو مستند محدثانہ اسلوب ہے۔(**فتح الباري** میں حافظ موصوف نے مؤلفین سیرت ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ، ابن ہشام رحمۃ اللہ علیہ، واقدی رحمۃ اللہ علیہ، ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کی تمام روایات سے اعتناء کیا ہے۔وہ محدثانہ سے زیادہ مؤرخانہ ہے۔) ”**شمائل ترمذی** اپنے موضوع پر قدیم ترین اور مستند ترین کتاب ہے، شمائل نبوی اس کا موضوع ہے اور وہ جامع و کامل ہے۔“ (قدیم ترین تو نہیں ہے، البتہ مشہور اور مستند ترین ضرور ہے۔امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے بعض قدما کی کتابوں کی بنیاد پر اس کو مرتب کیا ہے۔) ”حافظ ابن عبد البر تفسیر، حدیث، سیرت اور تذکرہ کے عظیم ترین محدثین وعلمامیں سے تھے۔ ان کی کتاب سیرت نے حدیث کے نقطۂ نظر سے روایات سیرت کو دور تدوین میں جمع کیا۔وہ مستند ترین روایات پر مبنی ہے۔ان کی تذکرۂ صحابہ کی **كتاب الاستيعاب** بھی معتبر ہے۔انھوں نے اپنی کتاب سیرت و تذکرہ میں موسیٰ بن عقبہ، ابن اسحاق، عروہ بن زبیر وغیرہ جیسے صاحبان مغازی وسیر کا کام جمع کر دیا۔ابن سید الناس کی **عيون الأثر** ایک طرح ابن عبد البر کی کتاب کی تکمیلی جلد ہے کہ انھوں نے مغازی شمائل اور سیرت کو جمع کر دیا۔ان کا دوسرا اہم کام یہ ہے کہ ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ اور واقدی رحمۃ اللہ علیہ کے بیانات کا گہرائی سے جائزہ لیا اور ان پر محاکمہ کر کے ان کو مستند قرار دیا۔““ابن کثیر کی کتاب سیرت دور متوسط میں محدثانہ نظر سے لکھی جانے والی آخری کتاب ہے۔اس میں غیر مستند کو مستند سے الگ کیا ہے۔اسرائیلیات کی تنقیح کی، ان کی جامع کتاب تاریخ البداية والنهاية، استیعاب واستقصاء کے دور میں لکھی گئی اور بے مثال ہے۔“ ”مؤرخ ومفسر ومحدث وفقیہ طبری کی تاریخ میں سیرت کا حصہ بھی ہے جس میں قدیم مصادر و مآخذ کا بڑا حصہ انھوں نے سمو کر محفوظ کر دیا ہے۔وہ مؤرخین و محدثین دونوں کے اسلوب کے جامع تھے، روایات کی سند واقعہ بیان کرتے ہیں اور شواہد پیش کرتے ہیں، مستند کتاب ہے۔“ ”امام ذہبی کی کتاب مستند ہے

جب کہ مسعودی ویعقوبی میں صحیح وغلط مواد بھی ہے۔ طبقات ابن سعد اپنے فن کی اولین کتاب ہے۔ غیر معمولی اور دلچسپ خزانہ ہے۔ وہ محدثین سے زیادہ مؤرخین کے طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔" "تاریخ خطیب وابن عساکر بھی عمدہ ہیں۔ قسطلانی کی مواهب لدنیه اور زرقانی کی شرح المواهب جامع قاموس کتابیں اور ضخامت کی وجہ سے بعض کمزور روایات رکھتی ہیں۔"

سیرت نبویؐ کے اصل مصادر پر جدید سیرت نگاروں کی تحقیق

اردو سیرت نگاروں نے اپنے مقدمات اور دیباچوں میں تمام اہم کتابوں کو دوچار ادوار میں تقسیم کیا ہے۔ شبلی نے قدما اور مابعد کی تصانیف کو دو قسموں میں بیان کیا ہے۔ ڈاکٹر غازی نے دور اوّل، دور متوسط اور دور جدید وجامعیت کی بھی مزید تقسیم کی ہے۔ ان میں سے بعض کو مزید ذیلی اقسام میں بیان کیا جاسکتا ہے اور ایسا کیا بھی گیا ہے۔ جیسے مؤخر الذکر نے مختلف مناہج واسالیب کے لحاظ سے کی ہیں۔ ان میں تمام کتابوں پر نہ سہی، بیشتر مصادر سیرت پر عام جائزے ملتے ہیں۔ ان کو ایک طرح سے سرسری وطائرانہ کہا جاسکتا ہے۔ ان تبصروں پر نقد بھی کیا جاسکتا ہے اور اختلاف بھی کہ ان میں بعض شدید قسم کے تسامحات ہیں جو عمومی انداز کے سبب آتے ہیں۔ اس کے بعد اصل اور بنیادی قسم کے مراجع پر بحث کی ہے جو مفصل اور تحقیقی بھی ہے۔ بعض دوسروں نے بھی ان مراجع پر نظر ڈالی ہے۔ یہاں ہم بعض معروف محققین سیرت کی تحقیقات کو درج کرتے ہیں:

۱۔ شبلی نعمانی

رجحان ساز وعہد آفریں شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ نے سیرت کی اجمالی اور سادہ تاریخ کے بعد قطعیت کے ساتھ صراحت کی ہے کہ سیرت پر اگرچہ ابھی سیکڑوں تصنیفیں موجود ہیں، لیکن سب کا سلسلہ جاکر صرف تین چار کتابوں پر منتہی ہوتا ہے: سیرت ابن اسحاق، واقدی، ابن سعد، اور طبری۔ ان کے علاوہ جو کتابیں ہیں وہ ان سے متاخر ہیں اور ان میں جو واقعات مذکور ہیں زیادہ تر انھی کتابوں سے لیے گئے ہیں۔۔۔۔ ان میں سے واقدی تو بالکل نظر انداز کر دینے کے قابل ہے۔ محدثین بالاتفاق لکھتے ہیں کہ وہ خود اپنے سے روایتیں گھڑتا ہے اور حقیقت میں واقدی کی تصنیف خود اس بات کی شہادت ہے۔ ایک ایک جزئی واقعہ کے متعلق جس قسم کی گوناگوں اور دلچسپ تفصیلیں وہ بیان کرتا ہے آج کوئی بڑا سے بڑا واقعہ نگار چشم دید واقعات اس طرح قلم بند نہیں کرسکتا۔[۲۶] علامہ سید سلیمان

۲۶- شبلی، مرجع سابق، ۱: ۴۸-۸۵۔ اسباب خارجی کا اثر مختلف روایات کی جمع وتطبیق، سلسلۂ علت ومعلول کی تلاش (ملخصًا)۔

ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے واقدی کی ثقاہت وعدم ثقاہت پر دو اقساط میں مضمون لکھا ہے اور وہ شبلی کی تائید میں ہے۔[۲۷] شبلی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

علامہ واقدی رحمۃ اللہ علیہ کے سوا باقی اور تینوں مصنفین اعتبار کے قابل ہیں۔۔۔۔۔ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت اگرچہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور بعض محدثین نے جرح کی ہے تاہم ان کا یہ رتبہ ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اپنے رسالہ جزء القراءۃ میں ان کی سند سے روایتیں نقل کرتے ہیں اور ان کو صحیح سمجھتے ہیں۔۔۔۔۔ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ اور طبری رحمۃ اللہ علیہ میں کسی کو کلام نہیں۔ لیکن افسوس ہے کہ ان لوگوں کا مستند ہونا ان کی تصنیفات کے مستند ہونے پر چنداں اثر نہیں ڈالتا۔ یہ لوگ خود شریک واقعہ نہیں اس لیے جو کچھ بیان کرتے ہیں دیگر راویوں کے ذریعہ بیان کرتے ہیں۔ لیکن ان کے بہت سے رواۃ ضعیف الروایۃ اور غیر مستند ہیں۔۔۔۔ اس کے علاوہ ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کی اصلی کتاب (ہندوستان میں) موجود نہیں۔ ابن ہشام رحمۃ اللہ علیہ نے ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب کو ترتیب وتہذیب کے بعد جس صورت میں بدل دیا وہی آج موجود ہے۔ لیکن ابن ہشام نے ابن اسحاق کی کتاب کو زیاد بکائی کے واسطہ سے روایت کیا ہے۔ بکائی اگرچہ رتبہ کے شخص ہیں تاہم محدثین کے اعلیٰ معیار سے فروتر ہیں۔ ابن عدی رحمۃ اللہ علیہ (امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے استاد) کہتے ہیں کہ وہ ضعیف ہیں۔ ابو حاتم کہتے ہیں کہ وہ استناد کے قابل نہیں۔ نسائی کہتے ہیں۔ وہ ضعیف ہے۔ ابن سعد کی نصف سے زیادہ روایتیں واقدی کے ذریعہ سے ہیں۔ اس لیے ان روایتوں کا وہی رتبہ ہے جو خود واقدی کا رتبہ ہے۔ باقی رواۃ میں بعض ثقہ ہیں اور بعض غیر ثقہ۔۔۔۔۔۔طبری کے بڑے بڑے شیوخِ روایت مثلاً سلمہ ابرش، ابن سلمہ وغیرہ ضعیف الروایۃ ہیں۔ اس بنا پر مجموعی حیثیت سے سیرت کا ذخیرہ کتب حدیث کا ہم پلہ نہیں، البتہ ان میں سے تحقیق وتنقید کے معیار پر جو اتر جائے وہ حجت اور استناد کے قابل ہے۔ (شبلی نے اس کے بعد سیرت کی کتابوں کی کم مائگی کے اسباب سے بحث کی ہے، جو نادر ونایاب ہے۔):

۱- تحقیق وتنقید کی ضرورت احادیثِ احکام کے ساتھ مخصوص کر دی گئی اور روایاتِ سیرت وفضائل میں احتیاط نہیں کی گئی۔

۲- جس قدر تحقیق وتنقید کا درجہ بڑھتا جاتا ہے مبالغہ آمیز روایتیں گھٹتی جاتی ہیں۔ سیرت کی بیشتر کتابوں میں ایسی کم زور روایتیں درج ہو گئیں۔

۳- محدثین کے اصول روایت کو اکثر سیرت نگاروں نے نظر انداز کر دیا ہے۔ سلسلۂ روایت میں انقطاع نہ ہو۔ صحابہ سے میلاد کی روایات مروی نہیں۔ مغازی کا بڑا حصہ امام زہریؒ سے منقول ہے، لیکن اکثر روایاتِ ابن ہشام وابن سعد منقطع ہیں۔ نامور مصنفین نے مستند احادیث کی کتابوں سے کام نہیں لیا جن سے عقدے کھل جاتے۔ مصنفین سیرت میں سے بعض نے جیسے دمیاطی نے محسوس کیا کہ سیرت کی کتابوں میں صحیح

۲۷- اس مضمون کے لیے دیکھیے: سید سلیمان ندوی، **مقالات سلیمان**، مرتب: صباح الدین عبد الرحمٰن (اعظم گڑھ، ۱۹۶۸ء)۔

حدیثوں کے خلاف بہت سی روایتیں درج ہو گئیں لیکن ان کے عام واشاعت پذیر ہونے کی وجہ سے تدارک نہیں ہو سکتا ہے۔

۴- متقدمین کی تمام روایات کو متاخرین نے مستند سمجھ لیا حالاں کہ وہ مستند نہ تھیں۔ صحابہ ورواۃ کے اختلافِ مراتب کا فرق نہیں ملحوظ کیا گیا۔

۵- واقعہ کی نوعیت کے لحاظ سے شہادت اور روایت ہونی چاہیے۔ روایت میں واقعہ اور قیاس کے راوی کا فرق نہیں سمجھا گیا تھا۔(۲۸)

۲- عبد الرؤف داناپوری

مولانا داناپوری نے امام السیر والاخبار محمد بن اسحاق بن یسار اور موسیٰ بن عقبہ کی روایات اور تصنیفات کو فن سیرت کو مستقل فن بنانے کا موجب قرار دیا ہے کہ "مغازی موسیٰ بن عقبہ اور مغازی ابن اسحاق سیرت کی پہلی دو تصنیفات ہیں۔ اس فن میں پیچھے جتنی کتابیں لکھی گئیں سب کی بنیاد ان دو کتابوں پر ہے۔ دونوں بڑے مرتبے کے محدث تھے۔ موسیٰ بن عقبہ پر تو کسی کو اعتراض نہیں، مگر ابن اسحاق پر امام مالک نے جرح کی ہے۔ محدثین کی بڑی جماعت اس جرح کو قبول نہیں کرتی اور شاید اسی جرح کی وجہ سے محدثین نے یہ قاعدہ بنایا کہ معاصر کی جرح معاصر کے حق میں مقبول نہ ہو گی، گو جرح کرنے والا کسی مرتبے کا ہو مگر اس جرح کے باوجود تمام اصحاب سنن نے محمد بن اسحاق کی روایت لی۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی تعلیقات میں ان کا ذکر کیا ہے اور **جزء القراءۃ** میں ان کی روایت کو صحیح کہا ہے۔ یحییٰ بن سعید، سفیان ثوری، نخعی، ابن عیینہ ایسے محدثین نے ان سے روایت لی ہے۔ محمد بن اسحاق پر دو جرح ہیں: اول یہ کہ وہ تدلیس کرتے ہیں، دوّم اہل کتاب سے روایت لیتے ہیں۔۔۔۔۔ واقدی نے مغازی اور سیرت پر روایات کا انبار لگا دیا اور واقعات کو اس تفصیل و تسلسل سے بیان کیا کہ خود جو شخص ان واقعات کے وقت موجود ہوتا وہ بھی جزئیات کو اس تفصیل سے یاد نہ رکھ سکتا۔ واقدی کی ان تفصیلات کی وجہ سے محدثین متفق ہو گئے کہ واقدی اور واقدی کی روایتیں اعتبار کے قابل نہیں ہیں۔ اور واقدی باتفاق محدثین متروک ہیں۔۔۔۔۔ واقدی کی روایات سیرت و مغازی اور رجال کی کتابوں میں موجود ہیں۔ ان کی واقفیت اور تبحر علمی سے انکار نہیں کیا جا سکتا مگر اس میں شک نہیں کہ ان کے تفصیلی بیانات سب مشتبہ ہیں۔۔۔۔۔ ان کے شاگرد محمد بن سعد مقبول اور بڑے پایے کے شخص ہیں۔ ان کی کتاب **طبقات ابن سعد** بہت مشہور و مقبول ہے۔ طبقات کی

۲۸- دیکھیے: حوالہ نمبر ۲۵۔

تمام روایات قابل قبول نہیں اور یورپ کے واسطے سے ملنے کے سبب وہ اور بھی مشتبہ ہے۔ موسیٰ بن عقبہ کی مغازی عرصہ ہوا مفقود ہو گئی مگر متاخرین نے ان کی روایات نقل کی ہیں۔۔۔ مغازی ابن اسحاق کا اصل نسخہ مفقود ہے مگر ابن ہشام نے نئے طریقہ سے مغازی ابن اسحاق کو درست کیا۔ بہر کیف سیرت کی یہ تین کتابیں امہات کتب ہیں۔[۲۹]

۳- مولانا ادریس کاندھلوی

تین ائمہ سیرت موسیٰ بن عقبہ رحمۃ اللہ علیہ، محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ اور واقدی رحمۃ اللہ علیہ پر مولانا کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے مختصر تبصرے کیے ہیں یعنی:

۱- موسیٰ بن عقبہ کی مختصر سوانح کے بعد ان کی کتاب المغازي کو امام مالک کے بقول اصح المغازی قرار دیا گیا ہے لیکن اب اصل کتاب ناپید ہے البتہ اس کی روایات متاخرین کے ہاں ملتی ہیں۔

۲- ابن اسحاق سیرت و مغازی کے امام ہیں۔ جمہور علمانے ان کی توثیق کی ہے، مگر امام مالک نے ان پر جرح کی ہے۔ حافظ ذہبی نے ان کو صدوق و مرضی بتایا ہے مگر ان کی حدیث کو درجۂ صحت سے نازل بتایا ہے اور امام احمد ان کو حسن الحدیث فرماتے ہیں۔ متعدد دوسرے محدثین کی جرح و تعدیل نقل کر کے امام بخاری نے ان کی کوئی موصولہ روایت نہیں لی البتہ تعلیقات میں لی ہیں۔ اصحاب سنن نے ان کی روایت لی ہے اور امام مسلم نے لغیرہ۔ ابن اسحاق کا اصل نسخہ مفقود ہے اور اب ابن ہشام کی تہذیب و ترتیب کے ساتھ موجود ہے۔ ابن اسحاق پر دو جرح کی گئی ہیں: ایک تدلیس کرتے ہیں، دوم، یہود وغیرہ سے روایات لیتے ہیں۔ دوسری وجہ موجبِ جرح نہیں۔

۳- واقدی سیرت اور مغازی کے امام اور جلیل القدر عالم تھے۔ واقدی کے بارے میں محدثین کے الفاظ مختلف ہیں۔ امام شافعی، امام احمد، امام بخاری، ابو حاتم، علی مدینی اور نسائی وغیرہ نے کذاب، متروک، واضع الحدیث وغیرہ قرار دیا۔ جب کہ یحییٰ بن معین، دار قطنی وغیرہ نے ان کو ضعیف کہا ہے، کذاب نہیں۔ علما کی ایک جماعت نے ان کی توثیق کی ہے اور ثقہ بتلایا ہے۔ ان میں یزید بن ہارون، ابو عبیدہ، ابراہیم حربی اور دراوردی ہیں۔ ابن سید الناس نے ان کو ثقہ کہا ہے۔

۲۹- داناپوری، مرجع سابق، ۲۹-۳۲۔ اس بحث و تجزیے میں مولانا شبلی سے خوشہ چینی واضح طور سے نظر آتی ہے۔ ان کے متعدد تبصرے صحیح نہیں ہیں، جن پر بحث آگے آتی ہے۔

مولانا موصوف نے حافظ ابن حجر وغیرہ کی رائے بھی نقل کی ہے اور حافظ ذہبی پر نقد کرتے ہیں جو ان کی جرح پر محدثین کا اجماع نقل کرتے ہیں۔ امام ابن تیمیہ کا قول بھی لکھا ہے کہ واقدی سب سے زیادہ مغازی کے جاننے والے ہیں اور امام احمد اور امام شافعی اور دیگر اہل علم واقدی کی کتابوں سے استفادہ کرتے ہیں۔ ان میں فتح الباري، زرقانی کی شرح المواهب اور علامہ شبلی کا خاص ذکر ہے۔(۳۰)

۴- محمد حمید اللہ

ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے اپنے "محاکمۂ ابن اسحاق" میں اسی عظیم سیرت نگار پر توجہ مرکوز رکھی ہے۔ ان کے سیرتی مباحث کے اہم ترین نکات حسب ذیل ہیں:

۱- ابن اسحاق طبقہ موالی میں سے تھے مگر عرب تھے اور انجیل کے جید عالم تھے۔ اپنے دور کے علما سے علم حاصل کیا تھا۔ جس طرح انھوں نے علوم اسلامی تفسیر، حدیث و فقہ کا علم حاصل کیا تھا اسی طرح سیرت و مغازی کا علم بھی حاصل کیا تھا۔ وہ امیر المؤمنین فی الحدیث تھے۔ امام بخاری، امام مسلم اور چاروں اصحاب سنن نے ان سے روایت کی ہے۔ بہ قول امام بخاری ان کے پاس ایک ہزار احادیث ایسی تھیں، جو کسی دوسرے کے پاس نہ تھیں۔ احکام سے متعلق تقریباً ہزار احادیث تھیں اور مغازی کی احادیث اس کے سوا تھیں۔ وہ سب معتبر تھیں۔

۲- امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام ہشام رحمۃ اللہ علیہ بن عروہ کی منافرت، معاصرت پر مبنی تھی اور بعد میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے رجوع کر لیا تھا۔ اسی طرح امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شرحبیل رحمۃ اللہ علیہ کے درمیان منافرت کے واقعات محض روایات بلکہ افسانے ہیں۔

۳- امام ابن اسحاق پر محدثین کا تدلیس کا الزام محض حدیث و تاریخ کے اسلوب کے فرق کی بنا پر ہے، حدیث میں مربوط قصہ نہیں ہوتا جب کہ تاریخ و سیرت میں ہوتا ہے لہٰذا امام سیرت، ہر خبر اور ہر حدیث کی الگ الگ سند نہیں بیان کرتے تھے بلکہ ایک واقعے کی تمام روایات واحادیث کو ان کی مجموعی اسانید سے بیان کرتے تھے۔ یہ الزام نہیں، طریقۂ کار کا فرق ہے اور اس سے بعض محدثین بھی مبرا نہیں۔

۳۰- کاندھلوی، مرجع سابق، ۱: ۱۰۲-۱۰۹۔ مؤخر الذکر پر مولانا کاندھلوی نے سخت نقد بھی کیا ہے کہ وہ ابن سعد کے حوالے سے واقدی کی روایات لیتے ہیں۔ آگے چل کر انھوں نے شبلی کی سیرت النبی میں درج واقدی کی روایات کے حوالے سے واقدی کو صرف ضعیف قرار دیا ہے۔

۴- کتاب سیرت کا اصل نام **كتاب المبتدأ والمبعث والمغازي** ہے جس کے دوسرے عناوین بھی نقل کیے گئے ہیں۔

۵- ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتابِ سیرت عراق جانے سے قبل مکمل کر لی تھی اور اس کے مدنی راوی تھے ابراہیم بن سعد (م ۱۸۴ھ / ۸۰۰ء)۔

۶- کوفہ میں پانچ روایوں سے کم از کم اس کی روایات ملتی ہیں جن میں زیاد بن عبداللہ بکائی (م ۱۸۳ھ / ۷۹۹ء) اور یونس بن بکیر (۱۹۹ھ / ۸۱۵ء) مشہور ترین ہیں۔ باقی تین تھے؛ عبداللہ بن ادریس (۱۹۶ھ / ۸۰۸ء) عبدہ بن سلمان (۱۸۷ھ / ۸۰۳ء) اور عبداللہ بن نمیر (۱۹۹ھ / ۸۱۵ء)۔ بغداد کے واحد راوی یحییٰ بن سعید اموی (۱۹۴ء / ۸۰۹ھ) تھے جب کہ بصرہ کے تین رواۃ میں سلمہ بن فضل ابرش (۱۹۱ھ / ۸۰۷ء) مشہور ترین ہیں، جریر بن حازم (۷۰ / ۷۸۷) اور کریم بن ابی عیسیٰ (سنِ وفات ندارد) نسبتاً غیر معروف ہیں۔ "رے" میں پانچ تلامذہ نے اپنی روایاتِ ابن اسحاق مرتب کی تھیں، علی بن مجاہد (۱۸۰ / ۸۰۵)، ابراہیم بن مختار، سعید بن بزیع، عثمان بن ساج اور محمد بن سلمہ حرانی (۱۹۱ / ۸۰۷)۔ ابن ہشام کی کتاب **السيرة النبوية** زیاد بن عبداللہ بکائی کی روایت پر مبنی ہے۔ مکتبہ قزوین کے دو قطعے یونس بن بکیر سے مروی ہیں اور وہ سہیلی کی **الروض الأنف** کے بنیادی مآخذ ہیں اور دمشقی قطعہ محمد بن سلمہ حرانی کا روایت کردہ ہے۔

۷- ابن ہشام کی روایت بکائی سے مقابلہ کرنے سے تفاصیل یا معلومات کی تقدیم و تاخیر ملتی ہے۔ مواد بھی قریباً یکساں ہے۔[۳۱]

۵- محمود احمد غازی

ڈاکٹر محمود احمد غازی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے **محاضرات سیرت** کے پانچویں خطبے میں چند نامور سیرت نگار اور ان کے امتیازی خصائص سے بحث کو ابن اسحاق، واقدی، ابن سعد اور ابن ہشام تک محدود رکھا ہے اور وہ ان کو ایک طرح سے بنیادی مراجع سمجھتے ہیں۔ ڈاکٹر غازی کی گفت گو کے اہم نکات حسب ذیل ہیں:

۳۱- حمید اللہ، "محاکمہ"، ۱۱، ۳۷۳-۳۹۱۔ ڈاکٹر حمید اللہ نے امام سیرت پر محاکمہ کیا ہے، ان کی کتاب اور اس کی روایات پر نہیں کیا۔

۱۔ بحث کا آغاز انھوں نے امام واقدی سے کیا ہے جن کو سیرت کا محقق، فن کو چار چاند لگانے والا، حیرت انگیز تفصیل دینے والا قرار دیا ہے۔ ان پر محدثین کے ایک بڑے طبقے کے اعتراضات کا جائزہ لے کر ان کی فنی ثقاہت اور سیرت کے باب میں معتبر ہونا ثابت کیا ہے۔ ان سے امام خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی قاموس فقہ **كتاب الأم** میں سير الواقدي کے عنوان سے مواد لیا ہے۔ وہ تفسیر، حدیث اور فقہ کے بھی عالم تھے اور ان کے مصنف بھی۔ مغازی و سیرت پر ان کی کتاب **المغازي** مطبوعہ ہے اور اس فن کے علما کی نظر میں وہ عالم دہر و ماہر کل تھے۔ انھوں نے اپنے زمانے کے تمام علما و محدثین اور سیرت و مغازی کے ماہروں سے علم حاصل کیا تھا اور حریص محقق اور عظیم عالم تھے۔ ان کی کتاب المغازی مکمل ہے یا ناقص، اس بارے میں رائے دینا مشکل ہے۔ اس میں مغازی کے علاوہ دوسرے موضوعاتِ سیرت پر بھی کافی قیمتی مواد ہے۔ ان کا طریقۂ کار مؤرخین کا ہے اور واقدی کی جو خوبی ہے وہ محدثین کے نزدیک قابل اعتراض بات ہے۔ واقدی نے غزوات کی جو تفصیلات دی ہیں واقعات کے اعتبار سے دوسری کتب سیرت میں بھی ہیں۔ وہ رنگ سازی کرتے ہیں کہ جغرافیائی معلومات دیتے ہیں۔ تاریخوں کا اہتمام کرتے ہیں۔ ان کی بعض تاریخیں ابن اسحاق وغیرہ کی تاریخوں سے مختلف ہیں۔ وہ فقہی معلومات بھی دیتے ہیں جو اہم ہیں۔ عام معاشرتی زندگی اور تمدنی اور ثقافتی امور کو بھی پیش کرتے ہیں۔ ان کی منفرد جزئیات و تفصیلات کو سیرت نگاروں نے قبول کیا ہے اور بیشتر کتب حدیث خاص کر مسند احمد بن حنبل سے واقدی کی روایات کی عام تائید ہو جاتی ہے۔ ان پر محدثین کے الزامات صحیح نہیں ہیں۔ وہ دراصل ان کے تحفظات ہیں جو تمام اسانید کو ایک متن کے لیے جمع کرنے کے تاریخی طریقہ اختیار کرنے کے سبب پیدا ہوئے ہیں۔

۲۔ واقدی کے مشہور ترین شاگرد ابن سعد ہیں جن کی **طبقات ابن سعد** سیرت اور تذکرہ صحابہ و رواۃ کی قاموس ہے۔ وہ اپنے استاد سے زیادہ مستند ہیں۔ تحقیق کے معیار اور علمی سطح پر استاد سے ان کو نسبتاً زیادہ اونچا مقام ملا۔ انھوں نے سب سے پہلے دلائل نبوت کا مواد جمع کیا اور معجزات اور دلائل پر قیمتی معلومات پیش کیں، شمائل نبویؐ پر بھی سب سے پہلے اتنا بڑا مجموعہ فراہم کیا۔ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین، احکام اور وثائق کا ایک بڑا مجموعہ اپنی کتاب میں جمع کیا جو دراصل ان کے استاد واقدی کا ہے۔ عظیم محدثین کے وہ پروردہ و پرداختہ تھے اور ان کے بیشتر اساطین نے ابن سعد کو ثقہ اور حافظ

قرار دیا ہے۔ بعض محدثین نے ان سے اختلاف کیا ہے۔ خطیب بغدادی نے ان تمام اقوال کو جمع کر دیا ہے۔ امام بخاری ان کے شارح بھی اور ان کے مؤید و مصدق ہیں۔ **طبقات ابن سعد** کی پہلی دو جلدیں سیرت کے بارے میں ہیں۔ وہ ہر دور میں مستند ماخذ سمجھی گئی ہیں۔ ان سے استفادہ کرنے والوں میں بلاذری جیسے ثقہ اور قابل اعتماد مؤرخین بھی شامل ہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی اور ابن اثیر نے بھی ان پر اعتماد کیا ہے۔

۳- ابن ہشام (عبدالملک بن ہشام) ابن سعد کے بعد سیرت نگاروں میں سب سے نمایاں ہیں اور ایک واسطے سے امام ابن اسحاق کے شاگرد بھی۔ سیرت ابن اسحاق پر ان کا کام بہت بڑا ہے اور ان کو اصل مصنف سے زیادہ شہرت ملی۔ ان کا نسخہ اتنا مقبول ہوا کہ سیرت ابن اسحاق پہلے متروک پھر مفقود ہو گئی۔ وہ اپنے زمانے کے ایک بہت بڑے محدث بھی تھے اور فقیہ بھی۔ مؤرخ بھی تھے اور ادیب و شاعر بھی۔ اپنے زمانے کے عظیم ترین علما و ماہرین سے علوم حاصل کیے تھے۔ ابن ہشام نے کتاب **سیرت ابن اسحاق** کی تنقید و تہذیب اور ترتیبِ نو کی۔ **كتاب المبتداء** کے نام سے جو پہلی جلد تھی وہ قریب قریب پوری ہی نکال دی۔ دوسرے حصے **كتاب المبعث** میں بھی کتر بیونت کر کے ان حصوں کو نکال دیا جو براہ راست سیرت سے متعلق نہ تھے۔ اپنے مقدمے میں انھوں نے اپنی تہذیب کو واضح کیا ہے۔ اسی طرح اشعار و قصائد میں غیر معتبر کو نکال باہر کیا۔ ان وجوہ سے وہ بہت مقبول ہو گئی۔ [۳۲]

۴- ابن اسحاق پر ڈاکٹر محمود احمد غازی نے اس سے پہلے خطبے میں بحث کی ہے جس کا حوالہ **كتاب المبتدأ و المبعث والمغازي** پر بحث میں دیا ہے۔ وہ تین ضخیم جلدوں میں تھی۔ وہ سیرت کے فن میں حکیم ارسطا طالیس ہیں۔ یہ روایت ممکن ہے کہ صحیح ہو کہ اپنی کتاب خلیفہ منصور کی فرمائش پر لکھی تھی، جیسے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے **مؤطا** منصور کے کہنے پر لکھی تھی۔ **كتاب المبتداء** میں حضرت آدم علیہ السلام سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جد امجد معد بن عدنان تک معلومات ہیں۔ یہ حصہ بالعموم غیر معتبر سمجھا جاتا ہے

۳۲- غازی، ***محاضراتِ سیرت***، ۲۵۹-۲۸۵۔ نیز ابن اسحاق کے لیے دیکھیے: ص ۱۷۳، ص ۱۷۹۔ بعد میں غازی صاحب نے متأخر کتب سیرت پر بحث کی ہے جیسے ابن حزم کی کتاب **جوامع السيرة** اور **جمهرة أنساب العرب**، سہیلی کی **الروض الأنف**، کلاعی کی کتاب **الاكتفاء**، ابن قیم کی **إعلام الموقعين** اور **زاد المعاد** وغیرہ۔

کہ یہودی وعیسائی ذرائع سے جمع کیا گیا تھا۔ دوسرے حصے کتاب المبعث میں بعثت سے وفات کے واقعات واحوال پر بحث ہے اور کتاب المغازي جنگوں پر ہے۔ اس کتاب کے تقریباً پندرہ مختلف نسخوں (Versions) کا تذکرہ ملتا ہے۔ ان کے استاد امام زہری بھی ان کے فنی تبحر کے قائل تھے۔ متعدد محدثین نے ان کے طریقۂ کار کی وجہ سے اعتماد نہیں کیا، لیکن دوسرے محدثین ان پر اعتماد کرتے ہیں۔ ابن سید الناس کا دفاع قابل دید ہے۔

تنقیدی تجزیہ

علوم وفنون ہوں یا زندگی اور ثقافت کے دوسرے پہلو، وہ سب اعتدال، توازن اور انصاف کا تقاضا کرتے ہیں۔ سیرت نبویؐ اور تاریخ اسلامی کی نگارش میں اسی طرح ان ضروری اقدار عالیہ مطلقہ کی حاجت ہے، جیسے دینی علوم وفنون میں۔ ان کے استعمال واطلاق سے معروضیت پیدا ہوتی ہے، وہ معروضیت جو حق وصواب کو جیسے وہ ملیں، پیش کرنے سے عبارت ہے۔ معروضیت کا مطلب مشرق ومغرب میں غلط نکالا گیا ہے، وہ حق وصواب اور عقیدہ وقدر سے مبرا ہونا ہے اور نہ جذبہ وخیال سے عاری ہو جانا۔ اس کا صاف اور سادہ مطلب یہ ہے کہ مآخذ ومصادر سے دست یاب روایات واحادیث کا تنقیدی اور منصفانہ تجزیہ کیا جائے۔

مآخذ ومصادر کی معلومات اور روایات واخبار کی چھان پھٹک جس طرح ضروری ہے اسی طرح راویوں ومفکرین کی بھی۔ بلاشبہ فن جرح وتعدیل اور ان کے اماموں کا علوم اسلامی پر اور تہذیب انسانی پر احسان ہے اور ان دونوں کا خاص مقام ومرتبہ بھی ہے، لیکن یہ حقیقت بھی اپنی جگہ تسلیم شدہ ہے کہ وہ بسا اوقات ایک ہی شخصیت کے بارے میں مختلف ومتصادم آرا بیان کرتے ہیں۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ وہ اپنے علم کے مطابق ہی ایسا کرتے ہیں۔ اس علم وخیال میں متعدد وجوہ سے بسا اوقات کوتاہی ہو جاتی ہے۔ خارجی اسباب، معاصرانہ چپقلش، فنی چشمک وغیرہ بھی کارسازی کرتے ہیں اور سب سے بڑا سبب غیر تنقیدی رویہ ہوتا ہے۔

سیرت نبویؐ اور تاریخ اسلامی تو اصل اسلامی علوم وفنون تفسیر وحدیث وفقہ سے فروتر سمجھے جاتے ہیں۔ مفسرین ومحدثین اور فقہا کے اختلافات وتضادات نے جہاں توسع پیدا کیا ہے، وہاں مختلف مسلکی اور فنی راہوں کو بھی جنم دیا ہے۔ خاص فن سیرت نبوی کا معاملہ نہیں، تمام اسلامی علوم وفنون کا ہے کہ مؤلفین وناقدین سلف کے بارے میں خلف کی سند لاتے ہیں۔ ان کے معاصرین، اصحاب اور تلامذہ کی آراوافکار اور تجزیوں سے بالعموم صرف نظر کرتے ہیں یا ان کو متاخرین کے خیال کا تابع بنا دیتے ہیں۔ سیرت کے واقعات واحوال کے بارے میں یہ رویہ پس

بنی (Back Projection) کے خطرناک رویے میں ڈھل جاتا ہے، جب وہ عہد جاہلی، عہد نبوی، عہد خلافت اسلامی کے واقعات واحوال کو مابعد واقعات وخیالات کے تناظر میں دیکھتے ہیں۔ بسا اوقات دو یا زیادہ متصادم آرا وخیالات میں ان کی ذاتی پسند وناپسند اور ذہن وخیال میں راسخ رجحانات بھی کارفرمائی کرتے ہیں۔

سیرت نبویؐ کے مصادر و مآخذ کا تجزیہ کرنے میں جدید اردو تحقیقات ونگارشات والے اصحاب نے کبھی کبھی افراط وتفریط کا رویہ اپنایا ہے جس طرح ان کے متعدد پیشروؤں نے جرح وتعدیل میں اپنایا تھا یا سیرت کی روایات واخبار میں صحیح چھان پھٹک نہیں کی تھی۔ یہ بہت حیرت کی بات ہے کہ عہد جدید کے بیشتر مؤلفین نے قدیم اور بنیادی سیرت نگاروں کے مقام وتجربے کا تجزیہ صرف آرا سے کیا ہے۔ مولانا شبلی، مولانا دانا پوری، مولانا کاندھلوی اور متعدد دوسرے سیرت نگاروں نے محدثین اور اصحاب فن رجال کے اقوال ہی پر کلی بھروسہ کیا۔ انھوں نے دو متصادم آرا و اقوال میں کسی ایک کو ترجیح دی اور محدثین اور فن سیرت ومغازی کے ناقدوں کی تنقیدی آرا کو اختیار کیا۔ مولانا شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے امام سیرت ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ، ان کے رواۃ وتلامذہ، امام واقدی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں خاص طور سے افراط وتفریط ہی کی۔ مولانا کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے امام واقدی کی بحالی کی کوشش کی تو انھیں اقوال اصحاب رجال کے پیش نظر ضعیف ہی قرار دیا۔ مولانا دانا پوری، ڈاکٹر محمد حمید اللہ، ڈاکٹر محمود احمد غازی رحمۃ اللہ علیہم اور دور جدید کے بعض تجزیہ نگاروں خاص کر مولانا حبیب الرحمن اعظمی نے ان کے ساتھ انصاف کیا۔(۳۳)

یہ حقیقت ہے کہ امامانِ سیرت، ابن اسحاق وواقدی، اپنے معاصرین اور متعدد محدثین کی نظر میں امیر المؤمنین فی الحدیث تھے۔ وہ نہ صرف سیرت وتاریخ کے معتبر، مستند امامانِ زمانہ تھے، بلکہ حدیث وفقہ میں بھی ان کا درجہ عالی اور قابل اعتبار تھا۔ حضرت شاہ دہلویؒ نے امام ابن اسحاق کا درجہ ثقاہت حدیث میں اس درجہ بڑھایا کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے ان کی متعدد روایات واخبار کے شواہد فراہم کیے جو امام ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کو نہیں ملے تھے۔ امام واقدی رحمۃ اللہ علیہ کی روایاتِ سیرت واخبار محدثین کے ایک طبقے کے نزدیک ثقہ ہیں۔ محدثین وفقہا میں امام شافعی، امام ابو یوسف، حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہم اور بہت سوں نے نہ صرف ان کو ثقہ سمجھا بلکہ ان سے استناد کیا۔ مولانا شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے بہ طور خاص اور بعض دوسروں نے عام طور سے امامان سیرت کے کام وطریقۂ کار کو محدثانہ اصول سے پرکھنے کی کوشش کی، حالاں کہ ان کو یہ بھی تسلیم ہے کہ سیرت وتاریخ میں خاص کر عہد جاہلی اور بعثت سے

۳۳- حبیب الرحمن اعظمی، "واقدی کے بارے میں اعتدال کی راے"، **الفرقان**، لکھنو، (اگست ۲۰۰۵ء)؛ نیز یٰسین مظہر صدیقی، "واقدی"، **الفرقان**، لکھنو، (اکتوبر ۲۰۰۵ء)۔

قبل کی حیات وعہد کے بارے میں روایات واخبار کا یہ مرتبہ نہیں ہو سکتا۔ وہ یہ اصول بھی تسلیم کرتے ہیں اور شدّومد سے پیش بھی کرتے ہیں کہ سیرت وتاریخ کے واقعات واحوال میں سلسلۂ علت ومعلول قائم کر دیا جائے، بالکل اسی طرح جیسا کہ واقعات واحوال کے بیان میں مسلسل بیانیہ پیش کرنا لازمی ہے اور منفرد اخبار واحادیث کو گوندھ کر ایک سلسلہ بنانے سے ہی ہاتھ آسکتا ہے۔ یہ تاریخی اور سیرتی طریقۂ کار تھا جو محدثانہ طریق سے مختلف ہے اور اپنے فن میں لازمی بن جاتا ہے۔ [۳۴]

مولانا شبلی رحمۃ اللہ علیہ اور بعض دوسرے علمائے سیرت نے فن سیرت اور فن سیر کو خلط ملط کر دیا، حالاں کہ وہ دو الگ الگ علوم ہیں۔ بلاشبہ فن سیرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانح، احوال اور نبوی عہد کے واقعات وارتقا سے وابستہ ومربوط ہے۔ سیرت کی جمع، سیر ضرور ہے اور بعض متأخر سیرت نگاروں نے اس کو استعمال بھی کیا ہے زیادہ تر قافیہ بندی کی وجہ سے۔ محدثین اور دوسرے علوم اسلامی کے ماہرین کی تعریفات واقوال سے سیرت وسیر کا مفہوم بیان کرنا دخل در معقولات ہے۔ دوسری صدی ہجری سے لفظ سیرت اصطلاح بن گیا تھا۔ مغازی وسیر اس کے ایک نزولی حصے تھے، کل سیرت نہ تھے جیسا کہ سمجھا گیا۔ بلاشبہ قدیم ترین علمائے سیرت کو صاحبان مغازی کہا گیا اور ان کی کتب کو کتب مغازی، مگر وہ ابتدائی دور ارتقا وتالیف تھا۔ یہ دعویٰ بھی واقعات وحقائق کے خلاف ہے کہ امامانِ سیرت عروہ، زہری اور خاص کر ابن اسحاق وواقدی کی کتابیں صرف مغازی پر مبنی ہیں اور دوسرے واقعات واحوال کم تر ہیں یا مفقود۔ کتب مغازی بھی سیرت، خاص کر مکی حیات طیبہ کے واقعات بیان کرتی ہیں۔ امامانِ سیرت ابن اسحاق وواقدی کی تالیفات سیرت تو عالمی تاریخ نبوت واقوام سے متعلقہ سیرت نبوی کے حصوں کو جوڑتی اور باندھتی ہیں۔ اس واقعیت کا پتا ان دونوں کی کتابوں کے عناوین **كتاب المبتدأ والمبعث والمغازي/ كتاب التاريخ والمبعث والمغازي** سے چلتا ہے۔ مولانا شبلی رحمۃ اللہ علیہ، ان کے خوشہ چیں مولانا دانا پوری اور مولانا کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کو ان اجزائے کتاب کا پتا نہیں جب کہ وہ ان کے مصادر میں موجود ہے۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ، ڈاکٹر محمود احمد غازی رحمۃ اللہ علیہم اور بعض دوسرے جدید اردو مؤلفین سیرت اور محققین فن نے اس حقیقت کو جانا

۳۴- یٰسین مظہر صدیقی، "امام ابن اسحاق: حضرت شاہ کے اہم ترین ماخذ سیرت، بہ حوالہ شاہ ولی اللہ، **شرح أبواب تراجم صحيح البخاري**، (حیدرآباد: دائرۃ المعارف العثمانیۃ، ۱۹۹۵ء)، ۱۲۹-۱۳۰؛ صدیقی، "تاریخ طبری میں سیرت نبویؐ کے مآخذ"، **معارف**، اعظم گڑھ، (دسمبر ۲۰۱۰ وجنوری ۲۰۱۱) وغیرہ؛ نیز دیکھیے: غازی، **محاضراتِ سیرت**، متعلقہ مباحث؛ حمید اللہ، "محاکمہ"، متعلقہ مباحث، وغیرہ۔

اور پہچانا ہے۔ اوّلین دو اجزاے کتاب میں غزوات و سرایا یا مغازی سرے سے موجود نہیں اور آخری حصے میں مغازی کے ساتھ ساتھ اور بہت کچھ ہے۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ اور ڈاکٹر غازی وغیرہ نے اس حقیقت کو تنقیح و تجزیے کے ساتھ پیش بھی کیا ہے، حالاں کہ وہ بھی ادھورا ہے۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ ابن اسحاق کی اصل کتاب مفقود ہے اور صرف ابن ہشام کی تہذیب میں موجود ہے جو اصل پر تیشہ زنی کرتی ہے۔ امام واقدی کی کتابِ سیرت کا صرف آخری حصہ كتاب المغازي دست یاب و مطبوعہ ہے۔ باقی دو اوّلین اجزا سرے سے مفقود ہیں۔ البتہ ان دونوں کی بہت سی روایات واخبار اور امام واقدی کے تبصرے اور تجزیے بلاذری، کلاعی اور ابن سید الناس وغیرہ کے ہاں ملتے ہیں۔ ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ واقدی کی کتابِ سیرت، اوّلیں کامل مؤلفِ سیرت امام ابن اسحاق کے طرز پر مرتب و مہذب کی گئی تھی۔

سب سے زیادہ حیرت انگیز امر یہ ہے کہ مذکورہ بالا تمام اردو تجزیہ نگاروں نے مآخذ و مصادر کا متنی تجزیہ نہیں کیا۔ صرف اقوال وآرا سے فیصلہ کر دیا۔ بعض معاصر محققین جیسے غازی صاحب وغیرہ نے صرف چند واقعات و معلومات کو درخورِ اعتنا سمجھا۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے محاکمے کو صرف ابن اسحاق، مؤلفِ سیرت تک محدود رکھا اور ان کی متعدد روایات کتاب کا متنی تجزیہ نہیں کیا۔ مولانا شبلی رحمۃ اللہ علیہ اور بعض دوسرے علمائے کرام کتبِ حدیث اور محدثین سے امامانِ سیرت کی روایات کے اختلافات کے مسئلے میں پڑ گئے۔ انھوں نے محدثین کی احادیث کو ان دونوں امامانِ سیرت وغیرہ کی روایات واخبار پر ترجیح دی، حالاں کہ وہ تصادم جزوی و مقامی ہے۔ ان کا یہ اصول اپنی جگہ بھلا لگتا ہے اور مسحور کن بھی کہ تصادم کی صورت میں روایاتِ سیرت پر احادیثِ محدثین کو ترجیح بہ ہر حال ہوگی، خواہ تمام سیرت نگاروں اور امامانِ فن کا اجماع واتفاق ہی کیوں نہ ہو، حالاں کہ معتبر و مستند محدثین نے بھی اس ترجیح کو نہیں مانا ہے۔ حافظ مغلطائی، حافظ ابن حجر عسقلانی، حافظ دمیاطی اور ان کے متعدد پیشرو محدثین وفقہا نے اصحاب سیر کے اجماع کو تسلیم کیا ہے۔ اوّل الذکر دو امامانِ حدیث نے خاص کر امام بخاری کے تسامحات پر گرفت کی ہے اور مؤلفینِ سیرت کی روایات کو ترجیح دی ہے۔ حافظ دمیاطی کے بارے میں یہ بیان کہ موصوف نے بعد میں محدثین کی آرا و روایات کو اجماعِ اصحابِ سیر کے خلاف ناطق بنایا تھا، مگر اپنی کتاب میں اس کو صرف اشاعت عام کی خاطر نافذ نہیں کر سکے، صحیح نہیں، ان کو کس نے استدراک لکھنے سے روکا تھا؟ مولانا شبلی نے اپنے حاشیے میں حافظ دمیاطی کا یہ بیان نقل کیا ہے، مگر مغلطائی اور ابن حجر عسقلانی کے بخاری کے تسامحات سے تعرض سے صرف نظر کر لیا۔ پھر محدثین کرام کو صرف چند غزوات و سرایا کی تاریخ کے اختلاف سے سروکار ہے یا اسی

طرح کے بعض جزوی معاملات سے۔ اجماع اہل سیر بہ ہر حال فیصلہ کن ہے جیسا کہ بعض ائمہ حدیث نے محدثین کی ایسی روایات میں ان کے بعض روایوں کے وہم کی نشان دہی کی ہے۔

امامانِ سیرت ابن اسحاق وواقدی کی کتبِ سیرت کی متنی تحقیق وتجزیے کا معاملہ خاصا دقت طلب ہے، مگر ضروری بھی۔ روایات واخبار اور احوال وکوائف کا فرق ہر جگہ لازمی ہے کہ ان کے رواۃ و مآخذ مختلف اور گوناگوں اور بہت تھے۔ اس سے زیادہ ان کی روایات واخبار کی تنقیح وتجزیے کی اہمیت ہے کہ دونوں امامانِ سیرت خاص کر اور ان کے جانشین عام طور سے اپنی روایات کو پیش کرتے وقت ان کی ثقاہت وضعف اور درجہ بندی کا ذکر اپنے طریقۂ کار سے کرتے ہیں۔ اس میں امام ابن اسحاق و امام واقدی رحمۃ اللہ علیہم کے تنقیدی اشارے اور روایات واخبار کے مرتبے پر تبصرے سب سے زیادہ اہم ہیں۔ امام ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ بالعموم روایات واحادیث کے ضعیف یا منکر ہونے کا ذکر واضح الفاظ میں ذرا کم کرتے ہیں، لیکن اپنے تنقیدی اشاروں فیمازعموا / فیما یزعمون، زعموا، یقال وغیرہ کے استعمال واطلاق سے ان کی کم مائگی بتا دیتے ہیں۔ ان کے جامع امام ابن ہشام رحمۃ اللہ علیہ نہ صرف روایات واخبار پر نقد کرتے ہیں، بلکہ اپنے اصل مؤلف سے صاف اختلاف بھی کرتے ہیں۔ ایسے مقاماتِ ضعف ونکارت کتاب ابن اسحاق / ابن ہشام کے تینوں اجزاومباحث میں جابہ جا ملتے ہیں۔ مثلاً خانہ کعبہ کی تولیت اور مکہ مکرمہ کی سیادت سے خزاعہ کا اخراج اور قصی بن کلاب کی حلیل خزاعی سے رشتے داری کا معاملہ ان کی نظر میں مشکوک ہے، کیوں کہ وہ صرف خزاعہ سے مروی ہے جس کی کسی دوسرے ماخذ سے تائید نہیں ہوتی: لم نسمع ذلک. اسی طرح قصی کے پانچ مناصب مکہ / ملاء قریش کا بیان مشتبہ ہے اور امامانِ سیرت چھٹے منصب قیادہ کا ذکر نہیں کرتے جو عبد شمس / بنو امیہ کا موروثی منصب تھا۔ مؤرخ ازرقی نے اس کی تصحیح کے علاوہ المطیبون والأحلاف میں قریش کی تقسیم کو غیر حقیقی بتایا ہے۔ وہ بنو ہاشم کی بے جا طرف داری اور بنو امیہ سے رقابت کا قصہ ہے جو مابعد کے واقعات کے تناظر میں آیا ہے۔ ایسی دوسری روایات واحادیث بھی ہیں جیسے ہاشم بن عبد مناف اور ان کے بھائیوں کے رحلة الشتاء والصیف کا بانی ہونا، یا ہاشم کا رفادہ کا مال جمع کرنا، چاہ زم زم کے بارے میں عبد المطلب بن ہاشم کا رویاے صادقہ دیکھنا اور عبد اللہ کی قربانی کی نذر ماننا اور ان کا ذبح ہونا، اوّلین شب زفاف میں حمل نبویؐ کا قرار پانا اور بہ وقتِ ولادت معجزات کا ظاہر ہونا۔[۳۵]

۳۵- عبد الملک بن ہشام، السیرة النبویة، (مصر: شرکة مکتبة و مطبعة مصطفی البابي الحلبي،۱۹۵۵ء)، ا: ۱۳۵، ۱۴۱، ۱۴۴ و مابعد، ۱۵۴، ۱۵۸، ۱۶۴ و مابعد، ۱۸۰، ۱۹۳ وغیرہ۔ مفصل بحث کے لیے ملاحظہ ہو: یٰسین مظہر صدیقی، **سیرت ابن اسحاق / ابن ہشام کا تنقیدی مطالعہ**، روداد سیمینار سیرت اعظم گڑھ، منعقدہ دار المصنّفین، مارچ ۲۰۱۰ء، نیز کفالت نبویؐ پر وصیت عبد المطلب اور عبد اللہ کے ذبیح ہونے کی روایت پر مقالات بھی ہیں۔

شبلی، داناپوری، کاندھلوی اور متعدد دوسرے سیرت نگاروں بالخصوص اردو سیرت نگاروں نے ان تمام ضعیف اور منکر روایات کو صحیح سمجھ کر بیان کیا ہے اور امامانِ سیرت کے تنقیدی اشاروں کو سمجھا تک نہیں، ذکر کیا کرتے۔[۳۶]

امام واقدی کو محض جزئیات نگاری اور تفصیلات کے لیے مطعون کیا گیا ہے کہ اتنی تفصیلات کو چشم دید راوی اور شرکا بھی بیان نہیں کرسکتے۔ حالاں کہ مولانا شبلیؒ اور دوسرے مطاعن نگار اچھی طرح جانتے ہیں کہ واقعات کے شریک اور چشم دید صحابہ بھی صرف اپنے سامنے کے احوال وواقعات بیان کرسکتے تھے اور دوسرے میدان عمل یا میدان جہاد میں رونما ہونے والے واقعات کو جاننے سے قاصر تھے۔ یہ دراصل محقق ومتلاشیِ حق اور جامع روایات وواقعات کا کام ہے کہ وہ منظر نامے سے دور بیٹھ کر ان سب کا مطالعہ کرتا ہے۔ امام واقدی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں تمام سوانح نگاروں کا بیان ہے کہ وہ روایات وواقعاتِ سیرت کی تلاش میں دیوانے تھے اور مواقع پر جا کر واقعات بالخصوص غزوات وسرایا کے مواقع ومیادین کو جا کر دیکھتے تھے۔ وہ ذات رسالت مآبؐ سے متعلق ہر چیز کا پتا لگاتے تھے۔ اسی بنا پر ان کے ہاں بہت سی نئی تفصیلات واخبار ہیں اور وہ ان میں منفرد بھی نہیں ہیں۔ محدثین میں امام احمد بن حنبلؒ اپنی **مسند** میں ان کی بنیادی توثیق کرتے ہیں اور دوسرے سیرت نگاروں، محدثوں، مؤرخوں اور صاحبانِ تالیف نے ان کو ہر دور میں قبول کیا ہے۔ امام واقدی رحمۃ اللہ علیہ کو بسا اوقات بعد کے مؤلفینِ سیرت، بلاذری، طبری، ابن کثیر وغیرہ نے بہ طور حکم اور ناقد پیش کیا ہے اور ان کے فیصلے کو ناطق جانا ہے۔ امام موصوف بالعموم فیصلہ دیتے ہیں کہ فلاں روایت غلط ہے، ثابت نہیں، ہمارے اور ہمارے اصحاب کے نزدیک ثبت، المجتمع علیہ روایت فلاں ہے، جیسے جناب عبد اللہ بن عبد المطلب کی تجارت شام سے واپسی پر وفات کا واقعہ، شادی کے وقت حضرت خدیجہ کی طرف سے سلسلہ جنبانی، حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام وغیرہ۔

نئی نئی معلومات اور جزوی تفصیلات کا معاملہ بہت دل چسپ ہے۔ امام ابن اسحاق کی کتابِ سیرت کی متعدد روایات میں خاص کر یونس بن بکیر، سلمہ بن فضل ابرش، محمد بن سلمہ حرانی اور علی بن مجاہد کی روایات ابن اسحاق میں موجود ومحفوظ ہیں۔ حضرت ورقہ بن نوفل اسدی، زید بن عمرو بن نفیل عدوی وغیرہ کے بارے میں نئی

۳۶- امام واقدی کی متنی تنقید کے لیے ملاحظہ ہو: ظفر احمد صدیقی، "علامہ واقدی: فن سیر کے امام"، **معارف**، اعظم گڑھ، (نومبر ۲۰۱۰ء)؛ محمد سعود عالم قاسمی، "طبقات ابن سعد: ایک تجزیاتی مطالعہ"، **معارف**، اعظم گڑھ، (اکتوبر ۲۰۱۰ء)۔

معلومات ملتی ہیں جو زیاد بکائی کی روایت میں موجود نہیں ہیں۔ امام ابن ہشام رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی بعض زائد روایات وواقعات کا ماخذ نہیں بتایا ہے، مثلاً ازواج مطہرات کا باب، وہ یونس بن بکیر سے ماخوذ و منقول ہے۔ یونس بن بکیر کی ایک روایت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قبل بعثت ایک سفر طائف کا اہم واقعہ بیان کرتی ہے۔ امام سہیلی نے **الروض الأنف** میں اسی روایتِ ابن اسحاق سے متعدد نئی معلومات دی ہیں اور امام طبری نے روایتِ سلمہ بن فضل ابرش سے اضافے کیے ہیں۔ حضرت شاہؒ نے ان کو زیادات علی السیرۃ سے تعبیر کیا ہے جو سیرت ابن ہشام پر زیادات ہی کے مترادف وہم معنی ہیں۔ امام طبری رحمۃ اللہ علیہ نے اور امام سہیلی نے بھی ان میں سے موضوع روایات اور غیر معتبر واقعات کے بارے میں امام سیرت کے تنقیدی اشارے محفوظ رکھے اور ان کی وجہ سے صحیح اور غلط کی تمیز کی جا سکتی ہے۔ حضرت حلیمہ سعدیہ کی رضاعتِ نبویؐ کا واقعہ امام طبری نے چار تلامذہ / رواۃ ابن اسحاق، سلمہ، یونس بن بکیر، المحاربی اور سعید بن یحییٰ اموی کی روایات کی بنا پر پیش کیا ہے جس میں بعض نئی اور دل چسپ تفصیلات ہیں۔

امام سہیلی، امام قسطلانی، امام حلبی اور امام زرقانی رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ متعدد جامع اصحاب سیر کو اردو سیرت نگاروں نے اپنے مقدمات کتب اور دوسرے مقالات ومباحث میں مختلف و متنوع مآخذ و مصادر سیرت وحدیث سے بیش قیمت معلومات، نئی نئی تفصیلات اور اہم ترین جزئیات پیش کرنے کا شرف دیا ہے اور اس کو ان سب کا طرۂ امتیاز قرار دیا ہے۔ بلاشبہ یہ صحیح بھی ہے تو امام واقدی رحمۃ اللہ علیہ کو بالخصوص اور امام ابن سعد، امام طبری رحمۃ اللہ علیہم اور دوسروں کو بالعموم ان کے لیے کیوں مطعون کیا ہے؟ واقعہ یہ ہے کہ ابن اسحاق اوران کے معاصروں خاص کر رواۃِ کتابِ سیرت کے بعد زیادہ سے زیادہ معلومات مختلف مآخذ سے جمع کرنے کا رجحان پروان چڑھا اور سیرت نگاروں نے حدیث وتفسیر، تذکرہ وتراجم، انساب واعلام وغیرہ کی کتابوں سے اضافے کیے۔ مصعب زبیری اور ان کے بھتیجے زبیر بن بکار بن عبد اللہ زبیری کی کتبِ نسبِ قریش بہت نادر معلومات رکھتی ہیں اور شعر وشاعری کے مجموعے بھی کچھ کم نہیں۔ متأخر سیرت نگاروں میں ابن حزم اندلسی اور ابن عبد البر قرطبی نے بعض نئی اور قیمتی معلومات فراہم کی ہیں۔ ابن کثیر کی سیرت بھی ایک قاموسِ معلومات ہے۔ ان سب سے جدید اردو سیرت نگاروں نے بالعموم استفادہ نہیں کیا اور نہ ان کی فنی مرتبت ہی کو صحیح طور سے پہچانا۔ متأخر اور معاصر سیرت نگاروں کے ذہن وعقل اور قلب وقلم پر ابن اسحاق / ابن ہشام کا جادو ایسا چڑھا کہ وہ اسی کو تنہا اور واحد ماخذِ سیرت سمجھنے لگے اور اسی سے معلومات لے کر کتابیں لکھنے لگے، صرف کہیں کہیں بعض دوسرے مآخذ سے پیوند لگا دیتے ہیں۔ اردو سیرت نگاروں کے ماخذِ اصلی شبلی نعمانی ہیں اور تمام اختلاف وتنقید کے باوجود وہ ان ہی سے خوشہ چینی کرتے ہیں۔

مآخذِ سیرت نبوی پر جدید اردو سیرت نگاروں کی تحقیقات و نگارشات بلاشبہ قابلِ قدر ہیں، خاص کر شبلی کی تحقیقات؛ وہ ابھی تک بلاشبہ عہد ساز، ناقدِ ماخذ اور مبصر مصادر ہیں، ان کی تمام غلطیاں، تسامحات اور لاعلمیاں بھی تسلیم کرنے کے باوجود ابن اسحاق پر ڈاکٹر محمد حمید اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اور عام مصادر سیرت پر ڈاکٹر محمود احمد غازی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک قدم بڑھایا ہے جو زمین شبلی ہی سے اٹھا ہے۔

❁❁❁❁❁